احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

اکتوبر 2020ء

قرآن اور ادب و تعظیمِ نبوی ﷺ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

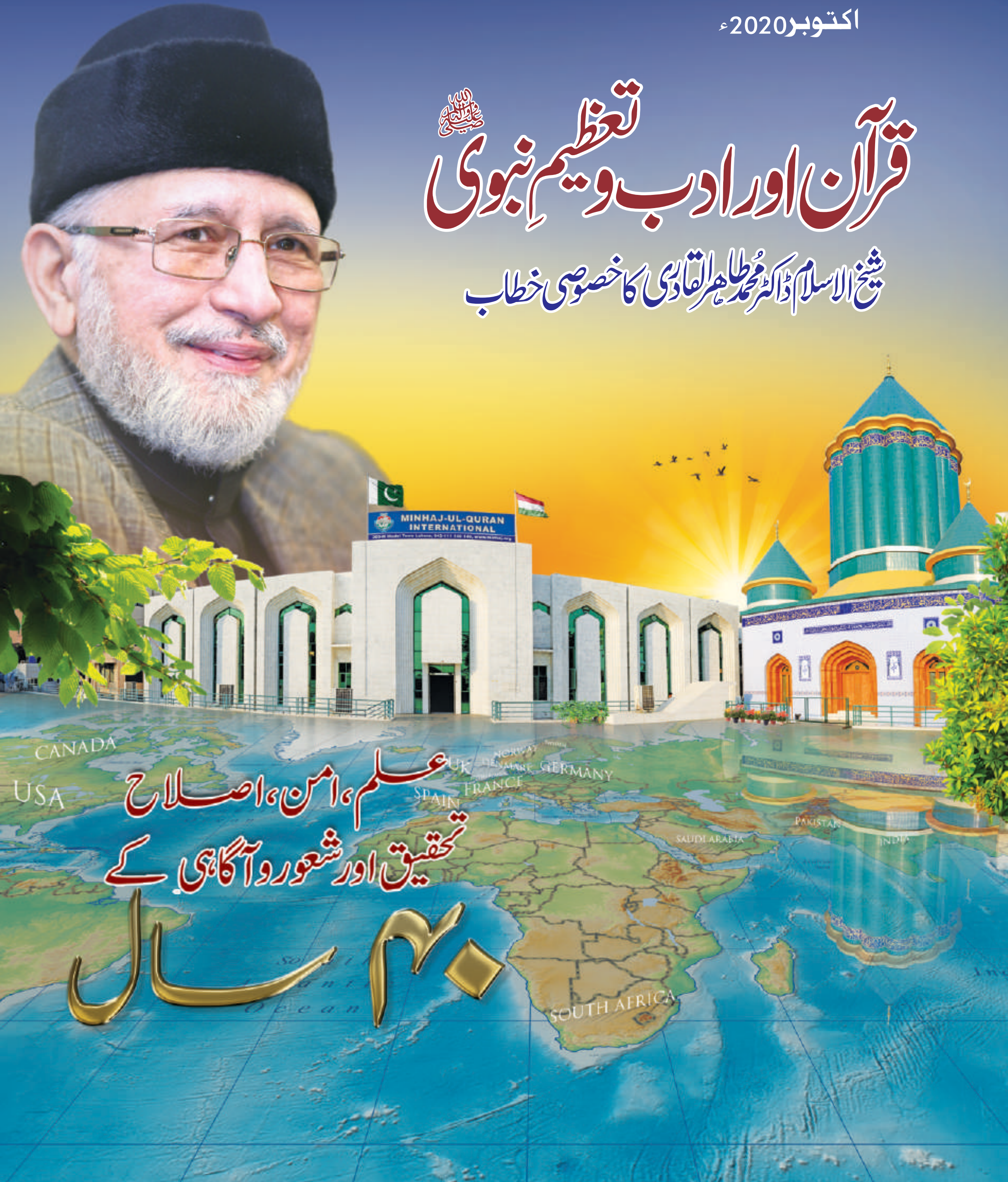

علم، امن، اصلاح، تحقیق اور شعور و آگاہی کے 40 سال

تحریک منہاج القرآن کے
40ویں یومِ تاسیس کے موقع پر
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی پیغام

تحریک نے اِجتہادی فکر، وسیع النظری اور ہم آہنگی و رواداری کو فروغ دیا

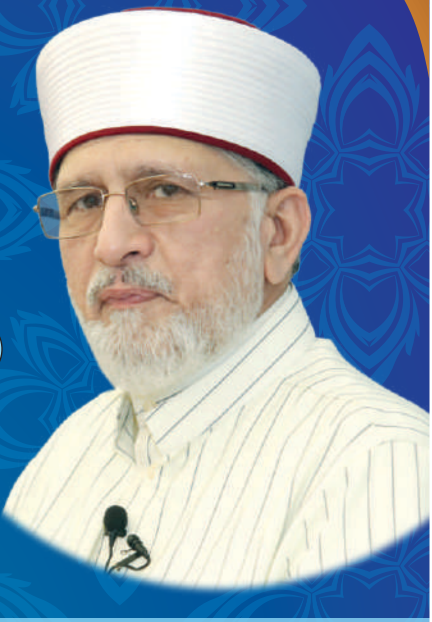

دِلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اُٹھتے
نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہو اَندازِ آفاقی
اُلٹ جائیں گی تدبیریں، بدل جائیں گی تقدیریں
حقیقت ہے، نہیں میرے تخیل کی یہ خلّاقی

آج سے 40 سال قبل 17 اکتوبر 1980ء بمطابق 7 ذی الحج 1400ھ کو تحریک منہاج القرآن کی بنیاد رکھی گئی اور اس کے بنیادی مقاصد و اَہداف کا تعین کر دیا گیا۔ تحریک کے 40 سالہ اِرتقائی سفر کے دوران الفاظ اور اصطلاحات میں اگرچہ حسبِ ضرورت و حالات ترامیم ہوتی رہیں مگر تحریک کے بنیادی مقاصد کبھی تبدیل نہیں ہوئے۔ وہ مقاصد ''دعوت و تبلیغِ دین، اِصلاحِ اَحوالِ اُمت، تجدید و اِحیاءِ دین، ترویج و اِشاعتِ اِسلام، اُمت میں اِتحاد و یگانگت، بین المسالک ہم آہنگی، بین المذاہب رواداری اور اِنتہا پسندی کا اِنسداد اور اَمن و اِعتدال کا فروغ'' ہیں۔ اِن مقاصد کے حصول کی جد و جہد کو مصطفوی اِنقلاب کا عنوان دیا گیا۔

تحریک منہاج القرآن نے تعلق باللہ کے اِستحکام، فروغِ عشقِ مصطفیٰ ﷺ اور مقامِ مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ اور رُجوع اِلی القرآن کو اپنا اَوّلین فریضہ قرار دیا۔ تحریک نے دعوت اور فروغِ دین کے لیے روایتی تنگ نظری اور قدامت پسندی کے بجائے اِعتدال و توازن اور وسیع النظری کے کلچر کو فروغ دیا۔ مسلکی کشاکش اور نفرت سے بھرے ماحول میں اعتماد، محبت اور بھائی چارے کی فضا قائم کرنے کے لیے ایسے ٹھوس عملی اِقدامات کیے جو اُمت میں اِتحاد اور یگانگت کو فروغ دیں۔ میں اللہ رب العزت کا کروڑ ہا شکر ادا کرتا ہوں کہ اِصلاحِ اَحوال کے لیے جس تحریک کی بنیاد رکھی گئی تھی وہ تحریک آج دنیا بھر میں ایک معتبر شناخت رکھتی ہے اور اس کے سبب لاکھوں زندگیاں شعور و آگہی سے آشنا ہوئی ہیں۔

تحریک منہاج القرآن کی دعوتی سرگرمیاں سات اَہداف پر مشتمل ہیں: (1) الدعوۃ اِلی اللہ (2) الدعوۃ اِلی الرسول ﷺ (3) الدعوۃ اِلی القرآن (4) الدعوۃ اِلی العلم (5) الدعوۃ اِلی الاخوۃ (6) الدعوۃ اِلی الجماعۃ (7) الدعوۃ اِلی الاقامۃ۔

تحریک منہاج القرآن نے اپنے قیام کے وقت جو اَہداف مقرر کیے تھے آج الحمد للہ 40 سالہ سفر کے بعد ان اَہداف کے حصول میں خاطر خواہ کامیابیاں نصیب ہوئی ہیں۔ آج یہ تحریک اپنے فکری تحرک کے باعث آئندہ نسلوں میں منتقل ہو رہی ہے۔ میں اس تاریخی موقع پر تحریک منہاج القرآن کی جملہ تنظیمات کے ذمہ داران، شعبہ جات کے سربراہان، اس کے عظیم رُفقاء و کارکنان اور نمائندگان و وابستگان کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد دیتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت اِس تحریک اور اس سے وابستہ تمام افراد کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ باذنہٖ تعالیٰ یہ تحریک تا قیامِ قیامت دینِ متین کی سرفرازی اور سربلندی کے لیے خدمات سرانجام دیتی رہے گی۔

40ویں یوم تاسیس کے موقع پر خصوصی پیغام

منہاج القرآن احیائے اسلام کی علمبردار تحریک ہے

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری

چیئرمین سپریم کونسل

تحریک منہاج القرآن امن و سلامتی، رواداری، تجدیدی خدمات اور احیائے اسلام کی تحریک ہے جو عزت و ناموس مصطفیٰ ﷺ کا پرچم تھامے منزل کی طرف محوِ سفر ہے۔ اللہ رب العزت نے اس مصطفوی تحریک کو تفکر، تحقق، تحرک، تفقہ، تصوف اور تحسن جیسے چھ ایسے ہمہ گیر پہلوؤں پر کام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی ہے جو اسے دیگر تحریکوں سے منفرد و ممتاز کرتے ہیں۔ تحریک منہاج القرآن کو اللہ تعالیٰ نے ہر گوشے میں کمال عطا کیا ہے، اِس مصطفوی تحریک نے رواں صدی میں جنم لینے والی ہر علمی و فکری تشنگی کو دور کیا ہے اور امت مسلمہ کو دینی، سماجی، فلاحی، تنظیمی، روحانی، تربیتی و اخلاقی اعتبار سے رہنمائی مہیا کی ہے۔ تحریک منہاج القرآن نے آج امت مسلمہ کو ایک نیا تنظیمی، دعوتی اور فکری کلچر دیا ہے جس سے زندگیوں میں آسانیاں اور راحت آئی ہے۔ تحریک منہاج القرآن کی فکر اور تربیت نے اس کے چاہنے والوں کو سوسائٹی کا حصہ بننے اور پھر اپنی صلاحیتوں کو منوانے کا حوصلہ اور حکمت عملی سے نوازا ہے۔ یہ اس صدی کی تجدیدی تحریک ہے، جس نے ٹھہراؤ کے بجائے آئندہ صدیوں میں آنے والی نسلوں کو درپیش چیلنجز کا بھی حل پیش کرنا ہے۔ اللہ کا کروڑ ہا شکر ہے کہ جس نے ہمیں تحریک منہاج القرآن کی فکر سے جوڑا ہے۔ ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اس فکر کو آئندہ نسلوں تک منتقل کرنے کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ منہاج القرآن کی فکر کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے اور اس فکر کو اپنی زندگیوں کا اوڑھنا بچھونا بنانے کی توفیق دے اور اس کے لاکھوں کارکنان کی حفاظت فرمائے۔

40ویں یوم تاسیس کے موقع پر خصوصی پیغام

حقیقی انقلاب بیداریِ شعور کا نام ہے

ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

صدر منہاج القرآن

حقیقی انقلاب بیداریِ شعور کا نام ہے۔ تحریک منہاج القرآن کا چار دہائیوں پر پھیلا ہوا سفر علم، تحقیق، تجدید اور شعور و آگہی کے فروغ سے عبارت ہے۔ تحریک منہاج القرآن حضور شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ کی سرپرستی میں ذہنی وفکری سطح پر انقلاب برپا کرنے کے لئے دن رات کوشاں ہے اور ان کاوشوں کے نتیجے میں کروڑوں افراد کی زندگیوں میں شعوری وفکری انقلاب برپا ہوا ہے اور ہو رہا ہے جو انسانی زندگیوں میں مثبت تبدیلیوں کا باعث ہے۔ یہ سب تب ممکن ہوتا ہے جب انسان اپنے آپ کو انحراف اور انکار کی زندگی سے نکال کر اطاعت اور اقرار کی راہ پر گامزن کرے۔ اپنی زندگی کے ہر پہلو کو تاجدار کائنات ﷺ کی محبت اور تعلیمات سے رنگ لے اور اسوۂ حسنہ کا مظہر اتم بن جائے۔ انسان جب اپنے من میں نور اطاعت سمو لیتا ہے تو پھر وہ ایک خوشبودار درخت کی مانند ہوجاتا ہے جس کی خوشبو سے پوری سوسائٹی معطر ہوجاتی ہے۔ یاد رکھیں! انقلاب انسانوں کی انفرادی زندگی اور ذات سے شروع ہوکر مثالی معاشرے کے قیام پر منتج ہوتا ہے۔ لہٰذا مصطفوی انقلاب کے آرزومند اس حقیقت کو سمجھ لیں کہ سب سے پہلے اپنے آپ کو تبدیل کریں اور اپنی ذات کو احکامِ الٰہی کے تابع کرلیں۔ ذہنی یا فکری انقلاب سے مراد انسانی فکر اور اس کے شعور میں اُس مقصد کو اجاگر کرنا ہے جس مقصد کی خاطر اللہ رب العزت نے انسان کو پیدا فرمایا ہے۔ انسان کو اپنے ہونے کا مقصد اور اپنے وجود کی وجہ سمجھ آجائے تو اس کی زندگی سے بے مقصدیت کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ میں 40ویں یوم تاسیس کے موقع پر تحریک منہاج القرآن کے لاکھوں کارکنان کو مبارکباد دیتا ہوں اور ان کی صحت وتندرستی اور اِس مصطفوی مشن کی کامیابی کیلئے دعاگو ہوں۔

40ویں یوم تاسیس کے موقع پر خصوصی پیغام

تحریک منہاج القرآن نے ہر مسئلہ پر امت کی رہنمائی کی

خرم نواز گنڈاپور

ناظم اعلیٰ تحریک منہاج القرآن

اسلامی تعلیمات کو رواں صدی کی ضروریات سے ہم آہنگ کرنے کے لئے تحریک منہاج القرآن اور اس کے بانی و سرپرست اعلیٰ حضور شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ کی اجتہادی کاوشیں تحریک منہاج القرآن کا طرۂ امتیاز ہے۔ تحریک منہاج القرآن نے ہر مسئلہ پر امت کی رہنمائی کی، تحریک منہاج القرآن نے اعلیٰ تعلیمی اداروں کی تشکیل کرکے قرآن و سنت کی تعلیمات کے تناظر میں سماجی زندگی میں درپیش تمام موضوعات کا احاطہ کیا ہے اور نئی نسل کو علم اور شعور و آگہی کے راستے پر ڈالا ہے۔ ہم اللہ رب العزت سے دعا گو ہیں کہ وہ تحریک منہاج القرآن اور قائد تحریک پر اپنی نعمتوں کا سایہ ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین

40ویں یوم تاسیس کے موقع پر خصوصی پیغام

منہاج القرآن ہمہ جہتی تحریک ہے

بریگیڈیئر (ر) اقبال احمد خان

نائب صدر منہاج القرآن

تحریک منہاج القرآن کا دنیا بھر کی دینی، تحریکی جماعتوں اور تنظیموں سے موازنہ کریں تو آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ کوئی بھی تحریک، جماعت یا تنظیم ایسی نہیں ہے جس نے ایک وقت میں اتنے میدانوں میں کام کا آغاز کیا یا ایک شعبے میں اتنی کامیابیاں حاصل کی ہوں اور جس کے دعوتی و اصلاحی کام کے اثرات پوری دنیا پر مرتب ہوئے ہوں۔ مجھے فخر ہے کہ میں اس تحریک سے وابستہ ہوں۔ تحریک منہاج القرآن امتِ مسلمہ کی وحدت کے لئے کوشاں ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس تحریک اور اس کے قائد کو ہمیشہ سلامت رکھے۔

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جلد: 34 شمارہ: 9 | صفر/ربیع الاول ۱۴۴۲ھ | اکتوبر 2020ء

بفیضان نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

زیر نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

چیف ایڈیٹر: نور اللہ صدیقی

ایڈیٹر: محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر: محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد فاروق رانا، عین الحق بغدادی
محمد رفیق نجم

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم
جی ایم ملک، تنویر احمد خان، سرفراز احمد خان
منظور حسین قادری، غلام مرتضیٰ علوی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، پروفیسر محمد نصر اللہ معینی
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، پروفیسر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، علامہ شہزاد مجددی، محمد افضل قادری

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم — گرافکس: فراز عالم
خطاطی: محمد اکرم قادری — عکاسی: قاضی محمود الاسلام

حسن ترتیب

﴿ٹائٹل ڈیزائننگ بشکریہ فراز عالم﴾

اداریہ: علم، امن، تحقیق اور شعور و آگہی کے 40 سال	چیف ایڈیٹر	3
القرآن: قرآن اور ادب و تعظیم نبوی ﷺ	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	5
دورۂ علوم الحدیث (نشست: دوم، حصہ: 4)	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	15
الفقہ: مسئلہ تملیک اور مصارفِ زکوٰۃ	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	19
خلقِ مصطفیٰ ﷺ کا حسین تذکرہ	ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	23
بین المذاہب ہم آہنگی اور سیرتِ نبوی ﷺ	پروفیسر محمد الیاس اعظمی	30
اسلام کے تصورِ اعتدال پر مبنی فکر کا نام تحریک منہاج القرآن ہے	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	35
علم، امن، تحقیق، تجدید اور شعور آگاہی کے 40 سال	خصوصی تحریر	42
اتحادِ امت اور شیخ الاسلام کی گراں قدر خدمات	احمد وحید	46
خصوصی ہدایات برائے میلاد مہم 2020ء		50

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبرشپ/رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

قیمت فی شمارہ: 35 روپے — سالانہ خریداری: 350 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک فیصل ٹاؤن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext:128

حمد باری تعالیٰ

ربّ اکبر وہ ہر کسی کا ہے
سو بسو تذکرہ اُسی کا ہے

ظلمتِ بحر و بر میں نام اُس کا
آئنہ دار روشنی کا ہے

نطق میں بھی گھلے ہیں رنگ اُس کے
وہ جو گنجینہ خامشی کا ہے

ہے علیم و خبیر ذات اُس کی
اِک خزینہ وہ آگہی کا ہے

رزق پتھر میں دے جو کیڑے کو
وہی رازق ہر آدمی کا ہے

ابتلا، رنج و غم میں ہر لمحہ
دھیان اُس کی طرف سبھی کا ہے

حق وہی ہے جو اُس نے فرمایا
راستہ اُس کا راستی کا ہے

لے کے آدمؑ سے ذاتِ احمد ﷺ تک
ایک ہی دین ہر نبی کا ہے

اُسوۂ سیدالبشر ﷺ نیّرؔ
رہنما صلح و آشتی کا ہے

﴿ضیا نیّر﴾

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

اے ہوا سیّدی سے جا کہنا
تیرے پیارے سلام کہتے ہیں

سبز گنبد میں رہنے والوں کو
مل کے سارے سلام کہتے ہیں

زائرو! سرور دو عالمؐ سے جا کے احوال سب بتا دینا
آپؐ کے اُمتی پریشاں ہیں داستاں سب انہیں سنا دینا
ہو نگاہِ کرم غلاموں پر بے سہارے سلام کہتے ہیں

آپؐ انوار کا سمندر ہیں اور رحمت کا ایک دریا ہیں
آپؐ خُلقِ عظیم ہیں آقا اور مروّت کا ایک صحرا ہیں
جو سلامت رہے تلاطم سے وہ کنارے سلام کہتے ہیں

آپؐ کے روضہ پر جا کر حاضری دیں کہ دِل یہ چاہتا ہے
خاکِ طیبہ کو چُوم لیں جا کر اک تصوّر سا دل میں رہتا ہے
یہ تمنا جو دل میں رکھتے ہیں وہ بیچارے سلام کہتے ہیں

کیسی محفل سجی ہوئی ہے یہاں اور مؤدب کھڑے ہیں ہم سارے
کیف و مستی کا ایک عالم ہے رقص کرتے ہیں نُور کے دھارے
آپؐ ہیں چاند دو جہانوں کے ہم ستارے سلام کہتے ہیں

آؤ مل کر دعا کریں ساحرؔ ہو زیارت مدینے کی
شہرِ انوار دیکھ لیں جا کر کوئی حسرت رہے نہ سینے کی
اور روضۂ پاک پر یہ کہیں دل ہمارے سلام کہتے ہیں

اے ہوا سیّدی سے جا کہنا
تیرے پیارے سلام کہتے ہیں

﴿احسان حسن ساحرؔ﴾

اداریہ

علم، امن، تحقیق اور شعور وآگہی کے 40 سال

17 اکتوبر 2020ء کے دن تحریک منہاج القرآن کا 40واں یوم تاسیس منایا جارہا ہے، یہ ایک تاریخی لمحہ ہے، 4 دہائیاں قبل شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی سرپرستی میں قائم ہونے والی تحریک منہاج القرآن آج پاکستان سمیت دنیا کے تمام براعظموں تک پھیل چکی ہے اور کروڑوں انسان قرآن و سنت کا علم، امن، رواداری اور محبت پر مبنی پیغام سن چکے ہیں اور لاکھوں نوجوان اپنی باطنی دنیا کو حقیقی تعلیماتِ اسلام کی روشنی سے منور کر رہے ہیں۔ اس تاریخی موقع پر منہاج القرآن کے اندرون بیرون ملک مقیم لاکھوں کارکنان اور کروڑوں چاہنے والوں کو خصوصی مبارکباد پیش کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت سے دعا گو ہیں کہ وہ تحریک منہاج القرآن کے بانی و سرپرست شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو عمر خضر عطا فرمائے اور وہ اسی طرح ملتِ اسلامیہ اور امتِ مسلمہ کو فکری رہنمائی اور تحقیق و تالیف سے بہرہ مند کرتے رہیں۔

اللہ رب العزت نے شرق سے غرب تک تحریک منہاج القرآن کی فکر کو متعارف کروایا ہے اور آج اسے اسلام کی ایک مثبت علامت اور قدر کے طور پر شرق وغرب میں دیکھا جارہا ہے۔ تحریک منہاج القرآن کی عالمی سطح پر پذیرائی کی ایک مثال اس کا اقوام متحدہ کا کنسلٹیٹو سٹیٹس کا حامل ہونا ہے۔ تحریک منہاج القرآن کی فرقہ واریت سے پاک امن کے لئے عالمگیر خدمات کے اعتراف میں 2018ء میں شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ کو او آئی سی کی طرف سے خصوصی طور پر مدعو کیا گیا اور ان سے فروغِ امن اور اتحاد امت کے لئے خصوصی لیکچر کی درخواست کی گئی۔ بلاشبہ یہ پاکستان اور اس کے کروڑوں عوام کا اعزاز ہے کہ وہ تحریک جس نے پاکستان سے جنم لیا، آج اسے پوری دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے۔

تحریک منہاج القرآن کا یہ اعزاز اور امتیاز ہے کہ منہاج القرآن نے اپنے عالمگیر دعوتی، اشاعتی، اصلاحی، فلاحی کردار کی ادائیگی کے ضمن میں ہمیشہ ملکی قوانین اور اقدار و روایات کا پوری طرح خیال رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ منہاج القرآن کو دنیا کے ہر خطے میں ایک امن اور قانون پسند اصلاحی تحریک کے طور پر دیکھا اور تسلیم کیا جاتا ہے۔ اگر رواں صدی منہاج القرآن کی خدمات کو ایک پیرائے میں بیان کیا جائے تو وہ یہ ہے کہ منہاج القرآن نے اسلام کا پرامن چہرہ دہشتگردی کے داغ سے داغدار ہونے سے بچانے کے ساتھ ساتھ پوری انسانیت کو دہشتگردانہ، تکفیری فتنے سے محفوظ بنایا اور مذہبی تنگ نظری کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور علمی مکالمہ کی بنیاد رکھی۔ آج دہشت گرد اسلام کا لبادہ اوڑھ کر انسانیت کا خون نہیں بہا سکتے، دشمنان اسلام نے دہشت گردی کے فتنے کو اسلام کے ساتھ جوڑنے کی ناپاک کوشش کی جسے تحریک منہاج القرآن کے بانی و سرپرست شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اپنے فکری اعتبار سے تربیت یافتہ ہزاروں سکالرز، اہل علم اور نوجوانوں سے مل کر ناکام بنادیا۔ شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ اکثر فرماتے ہیں کہ منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے ہونے والے تجدیدی کام کے حصہ دار اس کے لاکھوں کارکنان ہیں۔

آج ہم جس عہد میں زندہ ہیں یہ فتنوں کا عہد ہے، 14 سو سال سے مسلّمہ عقائد پر حملے ہورہے ہیں، نوجوانوں کو

قرآن و سنت اور جدید سائنسی علوم اور تحقیق سے برگشتہ کیا جارہا ہے، علم کے نور کو جہالت کے اندھیروں میں ڈبویا جارہا ہے، مسلم یوتھ میں ایک سازش کے تحت انتہا پسندی کے جرثومے داخل کئے جارہے ہیں، انہیں علم اور کتاب کے کلچر سے دور کر کے اسلحہ اور تشدد کے راستے پر ڈالا جارہا ہے، اس دوران منہاج القرآن ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جس کے ذریعے نوجوانوں کو علم اور محبت کا درس دیا گیا، انہیں فکری اور اعتقادی رہنمائی مہیا کی گئی۔

الحمدللہ تحریک منہاج القرآن شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی سرپرستی اور فکری رہنمائی میں اصلاحِ احوال، علم، امن، تحقیق اور تربیت کے فروغ میں چار دہائیوں سے مصروف عمل ہے۔ان چار دہائیوں میں اسلام کے پرامن اور برادرانہ اخوت پر مبنی پیغامِ حق کو کروڑوں انسانوں تک پہنچایا گیا، تحریک منہاج القرآن کو اللہ نے یہ توفیق بخشی کہ وہ ہر نوع کی فرقہ واریت سے بالاتر ہو کر اتحادِ امت اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے خالصتاً قرآن و سنت کی تعلیمات کو عام کررہی ہے۔ اللہ کا کروڑہا شکر ہے کہ آج دنیا کے 100 ممالک میں منہاج القرآن کے اسلامک سنٹرز قائم ہیں جو بیرون ممالک میں مقیم مسلم خاندانوں کو قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں رہنمائی مہیا کررہے ہیں۔

تحریک منہاج القرآن نے تعلیم کے شعبے میں گراں قدر قومی خدمت انجام دی ہے ،اس وقت منہاج یونیورسٹی لاہور، کالج آف شریعہ اینڈ اسلامک سائنسز، منہاج ویمن کالج، منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کے زیر اہتمام ملک کے طول و عرض میں قائم سینکڑوں سکولوں میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد بچے اعلیٰ اور معیاری تعلیم حاصل کررہے ہیں۔تحریک منہاج القرآن شرح خواندگی میں اضافہ اور روزگار کی فراہمی کا ایک بڑا ذریعہ بھی ہے۔

تحدیثِ نعمت کے طور پر امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ تحریک منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے سیکڑوں موضوعات پر ایک ہزار سے زائد کتب تالیف کی ہیں جن میں سے 600 کتب شائع ہو چکی ہیں، ان کتب سے دنیا بھر کے مسلم و غیر مسلم عوام استفادہ کررہے ہیں۔ منہاج القرآن کے فورمز جن میں منہاج یوتھ لیگ، منہاج القرآن ویمن لیگ، ایم ایس ایم، علماء کونسل، نظامت دعوت و تربیت، نظامت میڈیا، منہاج ٹی وی، سوشل میڈیا یہ تمام فورمز اور ڈیپارٹمنٹس نفرتوں کے خاتمے، علم ،محبت اور برادرانہ اخوت کے پیغام کو عام کررہے ہیں۔

تحریک منہاج القرآن خدمتِ دین ،اصلاحِ معاشرہ کے ساتھ ساتھ فلاحی امور میں بھی اپنا قابلِ ذکر دینی و قومی کردار ادا کررہی ہے۔ منہاج القرآن کا ذیلی فورم منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن اس وقت ہزاروں طلبہ کو تعلیم مکمل کرنے کے لئے مالی وسائل مہیا کررہا ہے ،اس کے علاوہ پینے کے صاف پانی کی فراہمی ،وسیلہ روزگار سکیم، شادیوں کی اجتماعی تقاریب کا انعقاد، قدرتی آفات سے متاثرہ شہریوں کی مدد اور بحالی کے منصوبہ جات منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کی ترجیحی فہرست میں شامل ہیں۔ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن ایک عظیم الشان ادارہ آغوش آرفن کیئر ہوم بھی چلارہی ہے جس میں یتیم بچوں کو اعلیٰ تعلیم و تربیت مہیا کی جارہی ہے ۔آغوش آرفن کیئر ہوم لاہور کی طرز پر ملک کے دیگر بڑے شہروں تک بھی اس منصوبہ کو پھیلایا جارہا ہے تاکہ کسی بھی وجہ سے والدین کے سایہ سے محروم رہ جانے والے غریب بچے علم کے زیور سے محروم نہ رہ جائیں۔

اللہ تعالیٰ تحریک منہاج القرآن اور قائد تحریک منہاج القرآن اور اس کے لاکھوں ایثار شعار کارکنان کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔(چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی)

قرآن اور ادب و تعظیمِ نبوی ﷺ

آپ ﷺ شاہد، مبشر اور نذیر کی شان کے ساتھ مبعوث ہوکر آئے

خصوصی خطاب: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین ۔۔۔ معاون: محبوب حسین

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اِنَّـآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا. لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُعَزِّرُوۡهُ وَتُوَقِّرُوۡهُ ؕ وَتُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا.

’’بے شک ہم نے آپ کو (روزِ قیامت گواہی دینے کے لیے اعمال و احوالِ امت کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہےo تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور آپ (ﷺ کے دین) کی مدد کرو اور آپ (ﷺ) کی بے حد تعظیم و تکریم کرو، اور (ساتھ) اللہ کی صبح و شام تسبیح کرو‘‘۔ (الفتح، ۴۸: ۸۔۹)

مذکورہ آیاتِ کریمہ میں سے پہلی آیت میں اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کی چار شانیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ شانِ رسالت ۲۔ شانِ شاہدیت

۳۔ شانِ مبشریت ۴۔ شانِ نذیریت

ان چاروں شانوں میں اللہ رب العزت نے اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ اے نبی مکرم ﷺ! بے شک ہم نے آپ ﷺ کو قیامت تک اپنی اُمت کے جمیع اعمال اور احوال کا گواہی دینے والا بنایا تاکہ آپ ﷺ اُن کا مشاہدہ فرمائیں اور آپ کو اُن کے تمام اعمال واحوال کی خبر رہے جس کی بنیاد پر آپ ﷺ قیامت کے دن ان کے بارے گواہی دے سکیں۔ پھر امت میں سے جو آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کرکے ایمان اور اطاعت کی راہ پر آجائیں گے، ایسے لوگوں کے لیے آپ ﷺ کو خوشخبری سنانے والا بنایا اور جنہوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو رد کردیا اور نافرمان ہوگئے، ایسے لوگوں کے لیے آپ کو آخرت کے عذاب کا ڈر سنانے والا بنایا ہے۔

چار شانوں کے اظہار کی وجہ

اگلی آیت میں آپ ﷺ کو ان چار شانوں کے ساتھ دنیا میں مبعوث فرمانے کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے اللہ رب العزت نے امتِ مسلمہ کو مخاطب کرتے ہوئے چار احکامات صادر فرمائے:

۱۔ لِتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ

پہلا حکم یہ دیا کہ تمہارے پاس میرے رسول مکرم ﷺ شاہد، مبشر اور نذیر کی شان کے ساتھ مبعوث ہوکر اس لیے آئے ہیں تاکہ تم سب اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

۲۔ وَتُعَزِّرُوۡهُ

اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو چار شانوں کے ساتھ مبعوث کرنے کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے دوسرا حکم یہ دیا کہ اِس رسول ﷺ کی کمال درجہ تعظیم کے ساتھ مدد ونصرت کرو۔ یعنی جب دشمن اور مخالف اِن کی ذات اور دین اسلام پر طعن کریں، ان کی اور دین کی بے ادبی و گستاخی کریں

☆ (خطاب نمبر: Ec-125، مقام: مینار پاکستان لاہور، تاریخ: 09 نومبر 2019ء، ناقل: محمد ظفیر ہاشمی)

تو تمہارے اندر اِن کا ادب، تعظیم اور تکریم اِس کمال درجے کی ہو کہ تم اِن کی عظمت، شان اور ناموس کے تحفظ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاؤ اور اس مدد و نصرت کے پہلو میں اِن کی محبت، تعظیم اور تکریم کا جذبہ کارفرما ہو۔

یہاں اس امر کی وضاحت کرتا چلوں کہ مدد کی دو اقسام ہیں:

۱۔ عمومی مدد　　۲۔ خاص مدد

۱۔ عمومی مدد وہ ہے جو انسان ہر ایک کی کرتا ہے مثلاً: ہم صلہ رحمی یا محتاجی کی وجہ سے کسی مسکین، کمزور، حاجت مند، رشتہ داروں، یتیموں، پڑوسیوں، دوستوں، بھائیوں اور ہر اس شخص کی مدد کرتے ہیں جس کا ہم پر حق ہے۔ یہ مدد محض مدد ہے یعنی کسی کو طاقت مہیا کرنے، کسی کو ظلم سے بچانے، کسی کا محض دفاع کرنے یا کسی کو اس کا حق دلانے کے لیے ہے۔ یہ مدد ایک reinforcement ہے۔

۲۔ دوسری مدد خاص مدد ہے۔ حضور ﷺ کے لیے وَتُعَزِّرُوْهُ کے ذریعے جس خاص مدد کا حکم دیا جارہا ہے، اس مدد سے مراد وہ عمومی، مجرد اور مطلق مدد نہیں جو ہم ہر کمزور و بے بس یا رشتہ داروں، حق داروں اور سوسائٹی کے دیگر لوگوں کی کرتے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی مدد سے مراد وہ مدد ہے جو کمال درجے کی تعظیم کے جذبے سے اُبھرے۔ یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات سے محبت، آپ ﷺ کا ادب و احترام اور اکرام و تعظیم ہمارے دل میں اِتنی زیادہ ہو کہ ہم آپ ﷺ کے خلاف اٹھایا جانے والا کوئی قدم برداشت نہ کرسکیں۔ کوئی شخص اگر ایسا طرزِ عمل اختیار کرے جو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے دین کی بے ادبی و گستاخی پر مبنی ہو اور آپ ﷺ کے شایانِ شان اور آپ ﷺ کے منصب کے مطابق نہیں ہے تو ہمارے اندر آپ ﷺ کی محبت، تعظیم، تکریم کا جذبہ اِتنا زیادہ ہو کہ اُس جذبۂ محبت و تعظیم کی وجہ سے ہم میدان میں آجائیں اور نہ صرف آپ ﷺ کا دفاع کریں بلکہ آپ ﷺ کے اعداء سے لڑائی بھی کریں اور آپ ﷺ کی محبت و تعظیم میں اپنی جان بھی قربان کریں۔ اگر اِس محبت و تعظیم کی بنیاد پر آپ ﷺ کی، آپ ﷺ کی دعوت کی اور آپ ﷺ کے دین کی مدد ہو تو وَتُعَزِّرُوْهُ کے حکمِ خداوندی پر صحیح معنی میں عمل درآمد ہوتا ہے۔

گویا ایک مدد وہ ہے جس کا تصور اس لفظ کو سنتے ہی ہمارے ذہنوں میں آتا ہے، وہ مدد یہاں مقصود نہیں ہے۔ آقا ﷺ کی ذاتِ اقدس اِس مدد کے تصور سے بلند ہے۔ یہاں وہ مدد مراد ہے جس میں جذبۂ محبت و تعظیم کے نتیجے میں انسان اپنی جان بھی دے دیتا ہے۔

۳۔ وَتُوَقِّرُوْهُ

مذکورہ آیتِ کریمہ میں تیسرا حکم اللہ رب العزت نے یہ دیا کہ حضور ﷺ کی کمال درجہ بے حد تعظیم و تکریم بجا لاؤ۔ یہ حکم دو مرتبہ دیا۔ وَتُعَزِّرُوْهُ میں بھی مدد کے ساتھ تعظیم و تکریم کا پہلو تھا یعنی اس مدد کی اصل، بنیاد، سبب اور محرک ادب اور تعظیم ہی ہے۔ اب وَتُعَزِّرُوْهُ کے بعد وَتُوَقِّرُوْهُ فرما کر حد سے بڑھ کر توقیر و تعظیم اور اُن کی عظمت کے ڈنکے بجانے کا دوبارہ حکم دیا جارہا ہے کہ حد سے بڑھ کر یعنی مبالغے کی حد تک اُن کی تعظیم کرو۔

۴۔ وَتُسَبِّحُوْهُ

اس آیت میں چوتھا حکم اللہ رب العزت نے اپنی ذات کے متعلق دیا کہ صبح و شام اس ربِ کائنات کی تسبیح بجا لاؤ۔

چار احکام کے ذکر کی ترتیب کی حکمت

مذکورہ آیت کریمہ میں جو چار حکم آئے ہیں، ان میں سے پہلا حکم لِتُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ: یہ حکم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ دونوں کے لیے مشترک ہے کہ اللہ پر بھی ایمان لاؤ اور اللہ کے رسول پر بھی ایمان لاؤ۔ دوسرا حکم وَتُعَزِّرُوْهُ کے ذریعے دیا کہ محبت و تعظیم کی وجہ سے اُن کی مدد کرو۔ یہ دوسرا حکم صرف حضور ﷺ کے لیے خاص ہے۔ تیسرا حکم وَتُوَقِّرُوْهُ کے ذریعے دیا کہ حد سے بڑھ کر میرے محبوب کا ادب اور تعظیم و تکریم بجا لاؤ۔ یہ تیسرا حکم بھی صرف آقا ﷺ کے لیے خاص ہے۔ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا کے ذریعے چوتھا حکم دیا صبح و شام اللہ کی تسبیح کرو۔ یہ حکم صرف اللہ کے لیے خاص ہے۔

اگر ان چار احکام کی درجہ بندی کریں تو ان میں اللہ نے حقوق بیان فرمائے ہیں۔ ایک حکم اللہ نے اپنی ذات کے لیے

خاص کیا ہے اور وہ حکم یہ ہے کہ صبح وشام میری نماز، میری تسبیح کرو، میرا ذکر کرو، میری عظمت بیان کرو۔ جبکہ اس آیت میں دو حکم اللہ نے صرف اپنے محبوب کے لیے خاص کیے جو آقا ﷺ کے حقوق ہیں یعنی تُعَزِّرُوْهُ اور تُوَقِّرُوْهُ اور آیت مبارکہ میں مذکور چوتھا حکم اپنے اور اپنے محبوب ﷺ کے لیے مشترک کیا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاو۔ پس اِن آیات کی ترتیب پورے دین کے اندر احکام کی اہمیت کا عکس ہے۔

تعظیم و توقیر کے معانی

ائمہ کرام نے تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ کے کئی معانی بیان کے ہیں، ان میں سے چند کا ذکر ذیل میں درج ہے:

ا۔ تُعَزِّرُوْهُ أَی تُجَلِّلُوْه

حضرت ابن عباسؓ نے وَتُعَزِّرُوْهُ کا معنی یہ بیان کیا ہے:

أَی تُجَلِّلُوْهُ: یہ جلال سے ہے، جیسے ہم اللہ رب العزت کے نام کے ساتھ جل جلالہ کہتے ہیں کہ اُس کا جلال اور عظمت بڑی بلند ہے۔اسی طرح فرمایا کہ آقا ﷺ کی عظمت کو نہ صرف بہت بلند و بالا سمجھو بلکہ حضور ﷺ کے ساتھ اسی طرح کا عقیدہ بھی رکھو کہ آپ ﷺ کی شان سب سے بلند و بالا ہے۔

۲۔ تُعَزِّرُوْهُ اَیْ تُبَالِغُوْا فِی تَعْظِیْمِهٖ

وَتُعَزِّرُوْهُ کا دوسرا معنی یہ ہے کہ

اَیْ تُبَالِغُوْا فِی تَعْظِیْمِهٖ (القاضی عیاض فی الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، ۵۱۲)

یعنی حضور ﷺ کی تعظیم میں مبالغہ کرو۔ حد سے زیادہ تعظیم کرو اور آقا ﷺ کی بڑائی بیان کرو۔

حضور کی شان ہر چیز سے اونچی ہے

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آقا ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ نے بڑائی عطا کی ہے اور وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے الفاظ کے ذریعے اس کا اعلان بھی فرمادیا کہ ہم نے آپ کا ذکر آپ کی خاطر بلند کر دیا، اب جبکہ آقا ﷺ کے ذکر اور آپ ﷺ کو شان کی بلندی اللہ نے عطا کردی تو اُمت کو حکم دینا کہ وتعزروہ و توقروہ کے ذریعے امتی کو حکم دینے کا کیا مطلب ہے؟ اُمتی تو خود چھوٹا ہے، وہ آقا ﷺ کو کیا بڑا کرے گا، آقا ﷺ کو تو اُن کے رب نے بڑا کر دیا۔ امتی آقا ﷺ کی کیا بڑائی بیان کرے گا ان کی بڑائی تو اللہ نے بیان کردی۔ کیا اُمتی بڑائی اور عظمت کے کوئی نئے پہلو لا سکتا ہے جو اللہ نے (معاذ اللہ) آپ ﷺ کو عطا نہیں فرمائے؟ جب اللہ نے آپ کے لیے آپ کے ذکر، شان، مرتبے اور منصب کو بلند کردیا تو اب اس بلندی کے بعد کیا کوئی گنجائش رہ جاتی ہے کہ کوئی اور آپ ﷺ کی بڑائی اور بلندی بیان کرے گا؟

اس سوال کے جواب کے لیے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کو سامنے رکھ کر وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ کے معنی کو سمجھیں۔ اللہ رب العزت حضور ﷺ کے ذکر کو ساری کائنات میں بلند ترین بنا چکے اور یہ رفعتِ مطلقہ ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ حضور ﷺ کے ذکر کو پہلے انبیاء اور رُسل علیہم السلام کے ذکر کے مقابلے میں بلند کردیا یا ملائکہ سے زیادہ بلندکردیا یا عرش سے بلند کردیا یا تمام بلندیوں سے بلند کر دیا۔ آپ ﷺ کے ذکر کی بلندی کا کسی کے ساتھ مقابلہ نہیں کیا اور اُس کو کسی کے ساتھ متعلق نہیں کیا۔ جب علی الاطلاق بلندی کہا جائے تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ میں خدا ہوں اور مصطفیٰ ﷺ میری خلق کا منتہاء ہیں۔مخلوق کی جتنی بلندیاں تھیں، وہ ساری میرے محبوب مصطفیٰ ﷺ کی شان کے آگے پستیاں بن گئیں اور میں نے اپنے محبوب کو اُس مقام منتہاء پر پہنچا دیا کہ خلق میں اُس سے اوپر کوئی تصور نہیں ہے۔ اُس سے اوپر صرف مقامِ اُلوہیت ہے۔ پس تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ میں اس بات کا حکم ہے کہ حضور ﷺ کی عظمت و شان کو بلند و بالا کرکے بیان کرو۔

۳۔ تُعَزِّرُوْهُ اَیْ تُعَزِّزُوْهُ

سیدنا امام جعفر الصادق وَتُعَزِّرُوْهُ کی شرح کرتے ہوئے اس کا ایک معنی یہ بیان کرتے ہیں:

اَیْ تُعَزِّزُوْهُ یعنی اُن کو سب سے عزیز جانو۔

عزیز کا معنٰی ''غالب'' ہے یعنی اِتنا بلند اور ہر چیز پر اتنا غالب کہ کوئی اُس کے قریب بھی نہ جاسکے، اس کی مثل کوئی

شے نہ ہو۔ اِتنا بلند وبالا کہ انسان کا وہم وخیال بھی وہاں نہ جا سکے، انسان اُس کی عظمت کی مثال نہ دے سکے، انسان کا تصور اُس کا احاطہ نہ کر سکے اور اُس عظمت کی حقیقت کا کوئی تصور نہ کر سکے۔ گویا انسان کی عقل جہاں بے بس ہوجائے اُس سے بھی اونچا جانو۔ یعنی آقا ﷺ کی اِتنی تعظیم کرو، اُن کی عظمت اِتنی مانو کہ انسان کی عقل جواب دے جائے اور وہ کہے کہ میری عقل میں نہیں آتا۔

عقل سے ماوریٰ شان کا اظہار

بہت سے لوگ بعض اوقات آقا ﷺ کی شان کے بیان کے حوالے سے پریشان ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو ہماری عقل میں نہیں آتا۔ ان لوگوں کو یہی تو سمجھانا ہے کہ حضور ﷺ کی عظمت کے اظہار و بیان کو اتنا ہی تو بلند کرنے کا حکم ہے جو عقل میں نہ آسکے۔ یہی تو آقا ﷺ کی شان کی عظمت ہے۔

اگر ہماری عقل میں آجائے تو اِس کا مطلب ہے کہ عقل کی حدوں کے اندر آ گیا اور جو بلندی عقل کی حد کے اندر ہے وہ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ سے خارج ہے۔ انسان کی عقل جس کا احاطہ کر سکے، جس چیز کو سمجھ سکے تو وہ سمجھ ایک حد ہے۔ اگر ہم کسی چیز کو سمجھتے ہیں تو اس سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری عقل اور فہم کو اتنی استعداد و صلاحیت ہے، تب ہی اُس کو سمجھ رہی ہے اور اُس بات کا احاطہ کر رہی ہے۔ جو چیز عقل میں آسکے اور عقل نے اس کا احاطہ کرلیا تو اس کا مطلب ہے کہ اس کی بلندی کے تصور پر عقل غالب آ گئی۔ کوئی چیز ہماری عقل کی پرواز کے اندر رہی تو عقل سمجھ لے گی اور عقل جس کو نہ سمجھ سکے، وہی تو مقامِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔

پس وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ کا معنیٰ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی عظمت کو اِتنا جانو کہ انسانی عقل جواب دے جائے اور انسان کہے کہ نہیں، یہ ممکن نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ ممکن ہے تو پھر اس پر وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اگر اُس بلندی کو محدود کرنا یا اس پر مطلع ہونا ممکن جانے تو وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کی شان میں کمی رہ جاتی ہے۔ جب رفعتِ مطلقہ ہو جائے تو اس کا مطلب ہے کہ اِتنا بلند کر دیا کہ اِس کی بلندی کا تصور عقلِ انسانی بھی نہیں کر سکتی۔ پس آقا ﷺ کے مقام ومرتبہ کو اِتنا اونچا جانو کہ عقلِ عادی، فہمِ عادی اور انسان کے تصورات و تخیلات سب ہار جائیں اور فہم، عقل، ادراک، تصور، فلسفہ، سائنس اور انسانی صلاحیتیں جھک جائیں تو اُس سے اوپر میرے مصطفیٰ ﷺ کی شان کو جانیں۔

اگر آقا ﷺ کی شان اس انداز سے مانیں اور بیان کریں گے تو اُس کے اندر وَتُعَزِّرُوْہُ کا معنی آئے گا جس کا تذکرہ امام جعفر الصادق نے فرمایا۔ بس ایک چیز کا خیال رکھنا ہے کہ حضور کو مخلوق سمجھیں، خالق نہ بنائیں اور نہ سمجھیں۔ آقا ﷺ کو خالق سمجھنا کفر وشرک ہوگا۔ آقا ﷺ اللہ کا بندہ رہیں مگر اس بندگی کی شان کے ساتھ انہیں اِتنا بلند کر دیں کہ ہر شخص کی عقل، فہم اور ادراک نیچے رہ جائے اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہوجائیں کہ حضور ﷺ کی شان جو آپ بیان کرتے ہیں، وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی، یہ سمجھ سے ماوراء ہے۔ پس تُعَزِّرُوْہُ کا معنی ہے ''سمجھ سے ماوراء شان کا اظہار''۔

۵۔ اَیْ تُعَظِّمُوْہُ

تُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ کا ایک معنی وَتُعَظِّمُوْہُ بھی ہے۔ یہ لفظ تعظیم سے ہے اور لفظ تعظیم ''عظیم'' سے ہے۔ جیسے تُعَزِّرُوْہُ اللہ کی صفت ''العزیز'' سے ہے یعنی اللہ کی صفت عزیز کی جھلک حضور میں دیکھو، اسی طرح وَتُعَظِّمُوْہُ اللہ کے اسم ''العظیم'' سے ہے یعنی اُس عظیم کی عظمت کی جھلک آقا ﷺ کے اندر دیکھو۔ ہم رکوع میں **سجان ربی العظیم** کے الفاظ کے ذریعے اللہ کی عظمت کا اظہار کرتے ہیں۔ پس عظیم کا معنیٰ یہ ہے کہ:

الذی جاوز قدرہ وجل عن حدود العقول.

جس کی قدر، عزت اور منصب عقل کی حدوں سے آگے نکل جائے اُسے ''عظیم'' کہتے ہیں۔ (لسان العرب،۱۲: ۴۰۹)

پس حضور ﷺ کے لیے فرمایا: کہ تُعَظِّمُوْہُ یعنی انہیں اِتنا باعظمت جانو کہ اُس کی کیفیت، حد اور مثال نہ معلوم ہو سکے۔ پس اللہ کی صفت ''العزیز'' اور حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے حکم وَتُعَزِّرُوْہُ ۔۔۔ اس طرح اللہ کی صفت ''العظیم'' اور حضور ﷺ

کے لیے حکم وَ تُعَظِّمُوْہُ بنیادی طور پر ایک تصور ہے، صرف دائرے الگ ہیں۔ وہ دائرہ خالقیت میں ہے اور یہ دائرہ خلق میں ہے۔ وہ عظمت خالق ہونے کی شان کے لائق ہے اور یہ عظمت مخلوق ہونے کی شان کے لائق ہے۔

☆ تُعَظِّمُوْہُ کو ایک اور لفظ سے سمجھیں۔ ''عظم'' ہڈی کو کہتے ہیں اور اِس کی جمع عظام ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ

فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا. (مومنون، ۲۳: ۱۴)

''پھر ہم نے اس معلّق وجود کو ایک (ایسا) لوتھڑا بنا دیا جو دانتوں سے چبایا ہوا لگتا ہے، پھر ہم نے اس لوتھڑے سے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنایا، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت (اور پٹھے) چڑھائے''۔

تُعَظِّمُوْہُ کہ حضور کو تعظیم دو، اِس کا مفہوم ''عظم'' (ہڈی) کے ساتھ سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہڈی کی اہمیت پر غور کریں۔ ہمارے جسم میں دماغ سے لے کے نیچے تک ریڑھ کی ہڈی ہے، اسی طرح پورے جسم میں جابجا ہڈیوں کا ایک مکمل نظام ہے جو جال کی صورت پھیلا ہوا ہے۔ ہمارا پورا جسم ہڈیوں کے سہارے کھڑا ہے۔ بندے کی ہڈیاں جتنی طاقتور اور مضبوط ہوں گی، بندہ بھی اتنا ہی مضبوط و طاقتور رہتا ہے۔ سو سال عمر بھی ہو جائے تو سیدھا چلتا ہے لیکن اگر ہڈیاں کمزور ہو جائیں تو بندہ کمزور ہوجاتا ہے اور چلنے پھرنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔ اللہ رب العزت نے انسانی جسم کی طاقت ہڈیوں کے جال میں رکھی ہے اور ہڈیوں کے ساتھ پورا جسم قائم ہے۔

اس معنیٰ کی رُو سے وَتُعَظِّمُوْہُ کا معنی یہ ہے کہ ایمان وعقیدے کے جسم میں حضور ﷺ کی عظمت اِس طرح جانو جس طرح انسانی جسم کے اندر ہڈیوں کا کردار ہوتا ہے۔ جس طرح ہڈیوں کی مضبوطی سے جسم قائم دائم رہتا ہے اور جسم کے اندر کے اعضاء کی بھی حفاظت ہوتی ہے، اِسی طرح آقا ﷺ کے ادب، تعظیم، تکریم اور بیانِ شان کے عقیدے سے ایمان مضبوط رہتا ہے۔ وہ عقیدہ جس میں آقا ﷺ کی عظمت، ادب اور تعظیم وتکریم جتنا مضبوط اور طاقتور ہوگا، عقیدے اور ایمان کا وہ جسم اتنا ہی طاقتور ہوگا۔ جس میں تعظیم و تکریم مصطفیٰ ﷺ مضبوط ہے، ایسا عقیدہ و ایمان کبھی کمزور نہ ہوگا بلکہ ہمیشہ سلامت و مضبوط رہے گا اور اس کے وسیلہ سے دین کے جسم کے سارے اعضاء محفوظ رہیں گے۔ گویا دین، ایمان، عقیدے میں قوت حضور ﷺ کی محبت اور عظمت کے عقیدے کی وجہ سے ہے۔ آقا ﷺ کی عظمت اور تعظیم جتنی زیادہ بڑھ کر ہوگی، اُتنی دین و ایمان کی حفاظت ہوگی۔

۶۔ اَیْ تُکَبِّرُوْہُ

امام ابن عطیہ نے تُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ کا معنی بیان کیا کہ وَتُكَبِّرُوْہُ: آقا ﷺ کو بہت بڑا جانو۔

اللہ اکبر کے الفاظ میں اللہ کی تکبیر کا اظہار مرتبہ خالقیت میں ہے جبکہ مخلوق کے مرتبے میں وَتُكَبِّرُوْہُ حضور ﷺ کی تکبیر کرنے اور آپ ﷺ کو ہر شے سے بڑا جاننے کا حکم ہے۔ عقل بھی ایک شے ہے، لہذا عقل سے بھی بڑا جانو، اپنے علم، اپنی سوچ، اپنی بحث اور اپنے مناظروں سے بڑا جانو۔ لوگ آقا ﷺ کی شان پر مناظرے کرنے لگ جاتے ہیں، انہیں اللہ کے حضور توبہ کرنا چاہیے، اس لیے کہ ہم حضور کے مقام کا تعین نہیں کر سکتے۔ اپنی بحثوں میں حضور ﷺ کی ذات کو نہ لے کر آؤ۔ مناظرہ اُس پر کیا جاتا ہے جس کا تعین ہو، جس کی حقیقت اور تہہ تک ہم پہنچ سکیں، جس کا ادراک اور احاطہ ممکن ہو۔

بحثیں دماغ اور عقل کی صلاحیت کے مطابق چلتی ہیں۔ جو آدمی کسی پر بحث کرتا ہے، اِس کا مطلب ہے کہ وہ دعویٰ کر رہا ہے کہ میری عقل، میرا فہم، میرا علم، میری سوجھ بوجھ اِس بات کی حقیقت کا ادراک کر سکتا ہے کہ اِس کا مرتبہ یہ ہے اور یہ نہیں۔ جبکہ اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ دو ہستیاں ایسی ہیں کہ جن کی حقیقت کا ادراک عقل نہیں کر سکتی۔ اس لیے یہ ہستیاں کبھی بحث کا موضوع نہ ہوں۔ انسانی بحث عقل کے احاطے کے ساتھ ہے اور عقل پست ہے اور مقامِ مصطفیٰ ﷺ اُس سے کئی بلند ہے۔ لہذا نہ کبھی اللہ کی ذات پر بحث کریں اور نہ اللہ کے رسول ﷺ کے مقام ومنصب پہ بحث کیا کریں۔

حضور ﷺ کے ذات، مقام، شان کو انسانی علم، فہم،

ادراک، معرفت، علوم، فنون، تصورات اور تخیلات سے بڑا جانیں۔ آ قا ﷺ کا مرتبہ تو وہ ہے کہ جہاں ہر چیز نیچے رہ جاتی ہے۔

حضور ﷺ کی بڑائی کے اظہار میں صرف ایک شرط ہے کہ رسول کو نہ خدا کہہ سکتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں، اس سے بندہ ایمان سے نکل جائے گا۔ حضور ﷺ معبود اور خالق نہیں ہیں۔ اُلوہیت اور ربوبیت کے خواص چھوڑ کر باقی ہر شے سے حضور ﷺ کو بڑا جانیں۔ اگر اس معنی میں بڑا جانیں گے تو یہی حکم وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ کے ذریعے امت کو دیا جارہا ہے۔

۷۔ تُفَخِّمُوْہُ

حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ جب مذکورہ آیت (الفتح:۹) اُتری تو آ قا ﷺ صحابہ کرام سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

ماذا کم؟ (تفسیر ثعلبی،۹: ۴۴)

کیا تم سمجھے ہو کہ اللہ نے کیا فرمایا ہے؟

صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی تعظیم کس طرح کرنی ہے اور آپ کی تعظیم کا حق کیسے بجالانا ہے؟ آپ کی توقیر کس طرح کرنی ہے اور آپ کی توقیر کا حق کیسے بجالانا ہے؟ اللہ اور اللہ کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ اس پر آ قا ﷺ نے فرمایا:

وَتُعَظِّمُوْهُ وَتُفَخِّمُوْهُ. (تفسیر ثعلبی،۹: ۴۴)

آپ ﷺ نے ''عظم'' اور ''فخم'' کے الفاظ ادا فرمائے۔ تُعَظِّمُوْهُ پر ہم بات کرچکے ہیں۔ یہاں تُفَخِّمُوْهُ کا معنی سمجھتے ہیں:

جب ہر چیز اپنی حد سے بڑھ جاتی ہے تو لغت عرب میں اُس کے لیے ''فخم'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً بکریاں، جانور، درخت، پھل عام معمول سے بڑھ جائیں حتی کہ اگر جسم کا وزن حد سے زیادہ بڑھ جائے تو اُس کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

اس لغوی معنی کے اعتبار سے ''تُفَخِّمُوْهُ'' کا معنی یہ ہے کہ حد سے بڑھ کر عظمت جانو۔ جس نے آ قا ﷺ کی تعظیم وتکریم حد میں رہ کر کی، اس نے اللہ کے اِس فرمان کی نافرمانی کی اور جو حد سے آگے نکل گیا، اُس نے قرآن مجید کے اس فرمان کی تعمیل کی۔ اس لیے کہ اگر حد میں رہے تو اِس کا مطلب ہی یہ ہے کہ عقل نے آپ ﷺ کی شان اور مقام ومرتبہ کا احاطہ کرلیا۔

میں نے اپنی ساری زندگی جب سے دعوت وتربیت کا سلسلہ شروع کیا، عرصہ 40 سال سے یہی بات سمجھائی ہے کہ ہر ایک سے تعلق اور تعظیم وتکریم میں حد میں رہو، مگر جب اللہ کے رسول ﷺ کی محبت، عزت، تکریم، ادب اور تعظیم کا وقت آئے تو یہ مقام وہ ہے جہاں حدوں کو چھوڑ دو اور حدوں سے آگے نکل جاؤ۔

جب اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو شبِ معراج اپنے پاس بلایا تو انہیں حدوں سے نکال کر ملاقات کی۔ حضرت موسیٰ ﷺ کے لیے حد اور نبی کریم ﷺ کے لیے کوئی حد نہیں۔ حضرت موسیٰ ﷺ کو بھی اللہ نے بلایا مگر حد میں رکھ کر بلایا۔ مقامِ ملاقات کوہِ طور ٹھہرا، پہلے 30 دن اور بعد ازاں 10 دن کا اضافہ کرکے 40 دن انتظار کروایا یعنی زمان و مکاں کی حد میں رکھا اور پھر جب اپنا جلوہ کروایا تو اس کی بھی حد رکھی کہ براہِ راست جلوہ نہ دکھایا بلکہ کوہِ طور پر تجلی فرمائی اور اس حد میں رکھی گئی تجلی کی بھی موسیٰ ﷺ تاب نہ لاسکے اور بے ہوش ہوگئے۔ مگر جب آ قا ﷺ کو جلوہ کرانا مقصود تھا تو زمین و آسمان کی تمام حدوں کو ختم کردیا یہاں تک کہ عالمِ مکان کی حد سدرۃ المنتہیٰ جہاں عالمِ خلق کی حد ختم ہو جاتی ہے، اس حد کو بھی ختم فرمادیا۔ یہاں جبرائیل کی حد بھی ختم ہوجاتی ہے۔ جبرائیل بھی مخلوق ہیں مگر حد کے اندر رہنے والے ہیں، آپ ﷺ بھی اللہ کی مخلوق ہیں مگر آپ کے لیے اللہ نے حدوں کو ختم کر دیا، اس لیے کہ آپ ﷺ حد سے ماوراء ہیں۔ آپ ﷺ عالمِ مکان کی حد سے نکل گئے، لامکان میں گئے اور وہاں جا کر قاب قوسین کا مقام آیا اور پھر اس سے بھی بڑھ کر او ادنیٰ کی قربت عطا فرما کر ہر حد کو ختم کردیا۔ پس حضور ﷺ کی شان، محبت، تعظیم، تکریم، ادب، عظمت اِسی طرح حد سے ماوراء جانو۔ اگر حد کے اندر رکھو گے تو اس سے حضور ﷺ کی تعظیم، توقیر، تکریم، تفخیم اور تکبیر نہیں ہوتی۔

سوال یہ ہے کہ حد اور حد سے ماوراء کا تصور کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو عقل میں آجائے وہ حد ہے اور جو عقل میں نہ آئے، وہ حد سے ماورآء ہے۔ اللہ تعالیٰ نبوت ورسالت کی تصدیق کے لیے اپنی قدرت کا جو اشارہ عطا فرماتا

ہے، اُس کو معجزہ کہتے ہیں یعنی وہ امر جسے عقل سمجھنے سے عاجز آجائے۔ اگر عقل اُس کے سارے پراسس کو سمجھ لے تو وہ معجزہ نہیں رہتا۔ اُنگلی کے اشارہ سے آسمان پر چاند کے ٹکڑے ہونا، یہ معجزہ ہے کہ عقل سمجھ نہیں سکتی کہ کیسے ہوگیا۔۔۔؟ درخت کواشارہ کریں تو وہ زمین کا سینہ چاک کرکے حضور ﷺ کے قدموں میں آکر سجدہ ریز ہوجائے، عقل نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کیسے ہوگیا۔۔۔؟ کنکریوں کو اشارہ کریں وہ کلمہ پڑھنے لگ جائیں، عقل کو سمجھ نہیں آتی کہ یہ کیسے ہوگیا۔۔۔؟ پہاڑ کے قریب سے گزریں تو وہ صلوۃ وسلام کہے، عقل کو سمجھ نہیں آتی کہ یہ کیسے ہوگیا۔۔۔؟ عیسیٰ علیہ السلام مردے کو بلائیں تو زندہ ہوکر بول پڑے، مادر زاد اندھے کو مس کریں تو وہ بینا ہو جائے۔ یہ تمام معجزات ہیں، اس لیے کہ عقل انہیں سمجھ نہیں سکتی کہ یہ بغیر طریق کے کیسے ہوگیا؟ پس معجزہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی نبوت ورسالت کو سچا ثابت کرنے کے لیے اُس کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے۔

جس طرح معجزہ کو سمجھنے میں عقل عاجز ہے، اسی طرح ان تمام معجزات میں سے سب سے بڑا معجزہ حضور ﷺ کی ذات کو بھی سمجھنے سے عقل عاجز ہے۔ آقا ﷺ کی ذاتِ اقدس سے بڑا کوئی معجزہ نہیں۔ آقا ﷺ کا وجودِ اقدس خود تمام معجزوں سے بڑا معجزہ ہے، جن کی خاطر سارے معجزات آئے۔ یعنی روح اور جسم کے ساتھ عالمِ مکان سے نکل کر لامکاں پر چلنے جانا۔ کیا اِس سے بڑا معجزہ کوئی ہے؟ جب حضور ﷺ کی ذات خود بہت بڑا معجزہ ہے تو وہ عقل کی سمجھ میں کیسے آسکتے ہیں۔ جو چیزیں آپ ﷺ کے ہاتھوں سے بطور معجزہ صادر ہوتی ہیں، وہ عقل میں نہیں آتیں تو آپ خود عقل میں کیسے آسکتے ہیں۔۔۔؟ آپ ﷺ کی شان عقل میں کیسے آسکتی ہے۔۔۔؟ آپ کا مقام ومرتبہ عقل میں کیسے آسکتا ہے۔۔۔؟

صحابہ کرام حضور ﷺ کی تعظیم کیسے کرتے تھے؟

صحابہ کرامؓ جب حضور ﷺ کی تعظیم و ادب بجا لاتے تو وہ اس مذکورہ تعظیم و ادب کے مطابق حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر رہتے۔ صحابہ کرامؓ کے ایک ایک عمل سے آپ ﷺ سے حد سے ماوراء تعلقِ محبت وتعظیم اور شان و مقام کی معرفت کا اظہار ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ کے احکامِ خداوندی کے عین مطابق حضور ﷺ کی عظمت و مقام اور شان کا اظہار کرتے اور آپ سے محبت وعقیدت رکھتے۔ اس سلسلہ میں ذیل میں چند واقعات درج کیے جاتے ہیں:

ا۔ حضور ﷺ کے سوالات پر صحابہ کرامؓ کی خاموشی

صحیح بخاری اور دیگر بہت سی کتب حدیث میں مروی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر عیدالاضحیٰ کے خطبہ کے دوران آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

أتدرون أي يوم هذا؟

کیا تم جانتے ہو کہ آج کون سا دن ہے؟

سادہ سی بات ہے کہ سب صحابہ کرامؓ جانتے تھے کہ آج 10 ذوالحجہ ہے اور قربانی کا دن ہے مگر کسی صحابی نے یہ نہ کہا بلکہ جواب دیا: **الله ورسوله أعلم:** اللہ اور اللہ کا رسول بہتر جانتا ہے۔

معلوم ہونے کے باوجود آقا ﷺ کی بارگاہ میں اپنے عدمِ علم کا اظہار کرنا، اگر اِس طرح کا ادب، تعظیم اور تکریم ہو تو ایمان ہوتا ہے۔ ایسا ادب، تعظیم، تکریم، عقیدہ، ایک ذوقِ ایمانی پیدا کر دیتا ہے۔ ایک طرزِ عمل، طرزِ فکر اور ایک behavior دے دیتا ہے۔ امتِ مسلمہ اُس behavior سے عملاً ادب اور تعظیم کا سلیقہ سیکھے۔ اگر صحابہ کرامؓ عرض کر دیتے کہ آج قربانی کا دن ہے تو اِس میں کیا قباحت تھی؟ کوئی قباحت نہ تھی، حقیقت کا اظہار تھا، مگر صحابہؓ نے ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کیا۔

معلوم ہوا کہ ادب میں حقیقت جانتے ہوئے بھی بیان کر دینا لازمی نہیں ہے۔ ہمیشہ اپنے آپ کو چھوٹا رکھیں، اپنے آپ کو لاعلم جانیں، عاجزی کریں، تواضع کریں، انکساری کریں اور حضور ﷺ کو ہمیشہ اونچا رکھیں۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے اس جواب **اللہ ورسولہ اعلم** پر آقا علیہ السلام ایک لمحے کے لیے خاموش ہوگئے:

حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه

یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ حضور ﷺ اس ذو الحجہ کے مہینے کا نام بدلنا چاہتے ہیں۔

یعنی صحابہ کرامؓ کو یہ گمان ہورہا ہے کہ شاید حضور ﷺ ماہ ذوالحجہ کو محرم یا شوال یا شعبان یا کوئی اور نام دینا چاہ رہے ہیں۔ اس سے صحابہ کا عقیدہ معلوم ہورہا ہے کہ وہ مہینہ جس کا نام قرآن میں آیا ہے، حضور ﷺ اگر چاہیں تو قرآن میں مذکورہ کسی بھی چیز اور حکم کو تبدیل کرسکتے ہیں۔ یعنی آقا ﷺ کی تعظیم میں ان کا عقیدہ عقل کی حدوں سے اِتنا ماوراء تھا کہ آقا ﷺ کچھ بھی فرما سکتے ہیں۔ آقا ﷺ کی شانِ اقدس اور عظمت کے لیے صحابہ کرام کے ذہن میں کوئی شرط اور حد نہیں تھی۔

پھر آقا ﷺ نے خود فرمایا:

أليس ذو الحجة؟ کیا یہ حج کا مہینہ نہیں ہے؟

تب ہم نے عرض کیا: بلی: ہاں یارسول اللہ، وہی ہے۔

پھر آپ ﷺ نے مکہ معظّمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: **أی بلد هذا؟** یہ شہر کونسا شہر ہے؟

تمام صحابہ کرامؓ کو معلوم ہے کہ مکہ معظّمہ کا شہر ہے اور مکہ کا یہ نام بھی قرآن نے رکھا ہے مگر کسی نے عرض نہیں کی کہ یارسول اللہ یہ مکہ ہے بلکہ ہر ایک کی زبان پر بس یہی تھا کہ:

الله ورسوله أعلم: اللہ اور اللہ کا رسول بہتر جانتا ہے۔

آپ ﷺ یہ سن کر پھر خاموش ہوئے۔

یہ خاموشی کیا تھی؟ دراصل آقا ﷺ صحابہ کرامؓ کے ادب کی تعریف کر رہے تھے کہ صحابہ سمجھ گئے ہیں کہ مرتبۂ رسول کیا ہے اور آپ ﷺ کی تعظیم، تکریم اور توقیر کا درجہ کیا ہے؟

جب حضور ﷺ خاموش ہوگئے تو راوی کہتے ہیں کہ

حتی ظننا أنه سيسميه بغير اسمه

ہم نے سمجھا کہ شاید حضور ﷺ مکہ کا نام بدلنا چاہتے ہیں۔ یعنی صحابہ کرام اس لیے نہ بولے کہ پتہ نہیں، یار کا منشا کیا ہے؟ معلوم نہیں کہ آقا ﷺ کا خیال اور خواہش کیا ہے؟ کہیں ہم ایسا لفظ نہ بول بیٹھیں جو حضور کی منشا کے مطابق نہ ہو۔ لہذا وہ خاموش رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

أليست بالبلدة الحرام کیا یہ بلد حرام نہیں ہے؟

ہم نے کہا: جی ہاں! یارسول اللہ یہ بلد حرام ہے۔

سمجھانا مقصود یہ ہے کہ حضور ﷺ کی عظمت کے حوالے سے صحابہ کرامؓ کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ عظمتِ مصطفی ﷺ کو عقلوں سے ماوراء سمجھتے تھے کہ عقلیں حضور کی ذات، مقام اور عظمت و شان کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔

۲۔ آقا ﷺ کے بغیر طوافِ کعبہ سے انکار

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر آقا ﷺ نے سیدنا عثمان غنی ؓ کو اہلِ مکہ کے ساتھ مذاکرات کے لیے بھیجا تو اہلِ مکہ نے حضرت عثمان غنیؓ کو طوافِ کعبہ کرنے کی پیشکش کی کہ آپ کو طواف کرنے کی اجازت ہے، آپ کعبۃ اللہ کا طواف کرلیں۔ حضرت عثمان غنی ؓ 6 سال کے بعد مکہ آئے تھے، کعبۃ اللہ جس کو دیکھنے کے لیے مومن کی آنکھیں ترس جاتی ہیں، وہ سامنے موجود تھا اور آپ کعبہ کے صحن میں کھڑے ہیں۔ کفار مکہ نے طواف کی خود اجازت دے دی ہے مگر سیدنا عثمان غنی نے انکار کردیا اور فرمایا:

ما كنت لأطوف به حتى يطوف به رسول الله

(بیہقی، السنن الکبری، ۹: ۲۲۱، رقم: ۱۸۵۸۸)

میں اِس کعبے کا طواف اس وقت نہیں کروں گا، جب تک حضور ﷺ کعبے کا طواف نہ کرلیں۔

صحابہ کرام کی نظروں میں آقا ﷺ کی عظمت، ادب، تعظیم، تکریم، اجلال کا تصور اِتنا بلند تھا کہ عقلوں کو اُس کے اندر دم مارنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ عقل، فہم، تصورات اور تخیلات سے ماوراء عظمتِ رسول ان کے ہاں تھی۔

سوال یہ ہے کہ کیا آقا ﷺ نے حضرت عثمان غنی ؓ کو منع کرکے بھیجا تھا، یا قرآن نے انہیں منع کیا تھا یا کوئی حدیث پاک اور تعلیمات تھیں کہ حضور کے بغیر طواف نہ کرنا؟ جب ایسا نہ تھا تو پھر حضرت عثمان غنیؓ نے یہ ادب اور یہ اُصول کہاں سے لیا۔۔۔؟ ان کے پاس یہ ادب، اصول اور حدوں سے ماوراء ہوکر تعظیم و تکریم کرنے کا عقیدہ کہاں سے آیا تھا۔۔۔؟ پس آقا کی اتنی تعظیم و تکریم کی جائے کہ کوئی حد نہ رہے، اس لیے کہ جب حکم آگیا کہ حدوں سے بڑھ کر ادب کرو تو پھر صرف شریعت

کی خلاف ورزی نہ ہو، ادب اُلوہیت کے خلاف نہ ہو، توحید کے خلاف نہ ہو، اسلام اور ایمان کے بنیادی عقیدہ پر ضرب نہ آئے بس اِس حد کو قائم رکھ لیں اور باقی ساری حدیں توڑ دیں۔

۳۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا طریق

صحابہ کرام کے ہاں آقا علیہ السلام کی عظمت کا عقیدہ یہ تھا کہ اُس میں کوئی حد اُن کے ساتھ نہیں رہتی تھی۔ حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معمول یہ تھا کہ جب آقا علیہ السلام کا وصال ہوگیا تو مسجد نبوی میں اگر کوئی تعمیر کا کام ہوتا تھا تو اُس تعمیر کے دوران اگر کبھی کوئی کیل لگانا پڑ جاتا تھا، تو کیل لگانے کی تھوڑی سے آواز سے بھی آپؓ منع فرماتیں کہ خبردار! اِس آواز سے آقا علیہ السلام کو تکلیف ہو رہی ہے۔ یعنی مسجد کے اندر صحابہ کرام کو کیل تک لگانے کی اجازت نہیں تھی کہ اُس کی آواز سے آپ ﷺ کے آرام میں خلل آ رہا ہے۔

آقا علیہ السلام سے محبت، آپ ﷺ کا ادب، تعظیم و تکریم اِس درجے کی ہو تو ایمان، عقیدہ اور اسلام قائم و دائم اور محفوظ رہتا ہے۔

ادب کی اہمیت اور درجات

افسوس! ہم آج ایک ایسے دور میں ہیں کہ جس دور میں روحانی قدریں ختم ہوگئی ہیں۔ روحانی قدروں کے ختم ہونے کی وجہ سے ہم بہت سی چیزوں کی اہمیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہمارا کلچر تبدیل ہو گیا اور جب کلچر تبدیل ہوتا ہے تو نفسیات اور ذہن کے سوچنے کے انداز بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ کلچر تبدیل ہونے سے ہمارے تصور کلیئر نہیں ہوتے اور نہ ہمیں اُن کی اہمیت کا انداز ہوتا ہے بلکہ اس کے برعکس ہمیں ان تصورات پر تعجب ہوتا ہے۔ کفر اور الحاد پر مبنی کلچر نے ایمانی، روحانی، اخلاقی اور اعلیٰ قدروں کے تصور اور تصورات کو اختیار کرنے اور اُنہیں سمجھنے سے بھی ہمیں دور کر دیا ہے۔

آج اِس مادی کلچر کے سبب ادب اور تعظیم و تکریم کا پہلو ہماری زندگیوں سے نکل گیا ہے۔ اللہ کا ادب، اللہ کے رسول ﷺ کا ادب، اللہ کے دین، قرآن، کعبۃ اللہ، روضہ رسول، مدینہ طیبہ، اہل بیت اطہار، صحابہ کرام، اولیاء و صالحین، والدین، مشائخ، بزرگوں الغرض سارے آداب ہماری زندگی کے تصور سے نکل گئے ہیں۔ ہماری زندگی ادب سے خالی ہوگئی اور ہم ادب سے شناسا نہیں رہے۔

یاد رکھیں! ادب کے چار درجے ہیں جن پر پورے دین کی عمارت قائم ہے:

۱۔ اللہ کا ادب　　　۲۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ادب

۳۔ اکابر کا ادب　　　۴۔ پوری مخلوق کا ادب

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور رسول کے ادب کی اہمیت کو بڑھانے کے لیے اُسے بھی اپنا ادب کرکے بیان کیا ہے تاکہ لوگ اللہ کے ادب اور اللہ کے نبی کے ادب کی اہمیت میں فرق نہ کریں۔

اکابر کے ادب سے مراد اہل بیت اطہار، صحابہ کرام، اولیاء و صالحین، ماں باپ، اساتذہ، مشائخ کا ادب ہے۔

پوری مخلوق کے ادب سے مراد اپنے جیسوں اور چھوٹوں کا ادب ہے۔

گویا سارا دین ادب کے اِن چار درجوں پر قائم ہے، اگر زندگی سے ادب نکل جائے تو دین نہیں بچتا۔

سارا دین ادب ہے!

ہم دنیا کے جس بھی کونے میں ہوں اور کعبۃ اللہ ہم سے خواہ ہزاروں کلومیٹر دور ہی کیوں نہ ہو اور ہمیں نظر بھی نہ آ رہا ہو لیکن اللہ رب العزت نے نماز کے لیے اُس کعبے کی سمت کو مقرر کر دیا تاکہ اللہ کے گھر کا ادب قائم ہو۔ ورنہ اللہ کی عبادت کسی سمت کی محتاج نہیں ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ (البقرۃ، ۲: ۱۱۵)

’’پس تم جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کی توجہ ہے (یعنی ہر سمت ہی اللہ کی ذات جلوہ گر ہے)‘‘۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (البقرۃ، ۲: ۱۱۵)

’’اور مشرق و مغرب (سب) اللہ ہی کا ہے‘‘۔

یعنی مشرق مغرب اللہ کا ہے، جدھر مرضی منہ کرکے عبادت کے لیے کھڑے ہو جاؤ، اللہ کی عبادت کسی سمت کی محتاج نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اللہ کی عبادت کسی

سمت کی محتاج نہیں ہے تو ہمیں کیوں پابند کر دیا ہے کہ ہم قبلہ رخ منہ کرکے کھڑے ہوں تو نماز ہوتی ہے۔ اِدھر اُدھر، دائیں بائیں پھر جائیں تو نماز ہی نہیں ہوتی حالانکہ کعبہ تو ہمیں مکانی دوری کی بناء نظر ہی نہیں آ رہا ہے تو ہمیں سمت کا پابند کیوں کیا ہے؟

ایسا اس لیے ہے کہ یہ اللہ کے گھر کا ادب ہے۔ اللہ نے نماز کو بھی ادب کے ساتھ جوڑ دیا ہے تاکہ اُس سمت کا ادب ہو۔ اسی طرح ہم کعبۃ اللہ کی سمت کی طرف ٹانگیں کرکے سوتے نہیں ہیں، اس طرف منہ کرکے تھوکتے نہیں، رفع حاجت کے وقت اس طرف پیٹھ یا منہ کرکے نہیں بیٹھتے۔ یہ سب اُس سمت کا ادب ہے حالانکہ کعبہ ہم سے ہزار ہا میل دور ہے مگر ہم یہ تمام آداب بجا لاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کے گھر مسجد میں داخل ہوں تو بایاں قدم پہلے نہیں رکھتے بلکہ دائیں قدم سے داخل ہوتے ہیں، اس لیے کہ اللہ کے گھر میں داخل ہورہے ہیں۔

اسی طرح حج سارا ادب ہے، کعبۃ اللہ کا طواف، صفا و مروہ کی سعی، حجر اسود کا بوسہ، مقام ابراہیم پر نوافل، ان تمام مناسک کے پیچھے اصل ادب ہی کارفرما ہے۔ اگر ان مناسک کو اللہ اور اہل اللہ کی نسبت نہ ہو تو کون اِن پتھروں کو تعظیم دیتا؟ کون ان کا طواف کرتا اور کون صفا و مروہ پر چکر لگاتا؟ حتی کہ اللہ نے اس ادب کے حوالے سے فرمایا:

ذٰلِکَ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ (الحج، ۲۲ : ۳۲)

’’یہی (حکم) ہے اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے (یعنی ان جانداروں، یادگاروں، مقامات، احکام اور مناسک وغیرہ کی تعظیم جو اللہ یا اللہ والوں کے ساتھ کسی اچھی نسبت یا تعلق کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں) تو یہ (تعظیم) دلوں کے تقویٰ میں سے ہے (یہ تعظیم وہی لوگ بجا لاتے ہیں جن کے دلوں کو تقویٰ نصیب ہوگیا ہو)‘‘۔

دوسرے مقام پر شعائر اللہ کی وضاحت میں فرمایا:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ (البقرہ،۲: ۱۵۸)

’’بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں‘‘۔

ساری دنیا پہاڑوں سے بھری پڑی ہے تو پھر یہ صفا و مروہ ہی اللہ کی نشانیاں کیسے ہیں؟ کیا اللہ یہاں رہتا ہے؟ نہیں۔ کیا یہاں اللہ کا نزول ہوتا ہے؟ نہیں۔ یہاں نہ اللہ کا قیام، نہ اللہ کا گزر، نہ اللہ کا مقام تو پھر اللہ کی ذات کا ان سے کیا تعلق ہے؟ اصل میں اللہ کے نیک بندوں کا تعلق ان مقامات سے ہے۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت ہاجرہؑ یہاں قیام پذیر ہوئے۔ اللہ کے محبوب اور مکرم بندوں کی نسبت نے اِن پہاڑوں کو اللہ کے شعائر بنا دیا اور اِن شعائر کی تعظیم کو اللہ نے دلوں کا تقویٰ وعبادت بنا دیا اور حج اور عمرہ کا حصہ بنا دیا۔

یہ تمام مثالیں دینے کا مقصد اس تصور کو واضح کرنا ہے کہ دین اور ایمان کا اپنا ایک کلچر اور اپنی ایک سائیکی ہے۔ دین اور ایمان کا کلچر ادب اور تعظیم وتکریم پر قائم ہے۔ سارا دین ادب کے کلچر پر قائم ہے۔ جس دین اور عقیدے سے ادب، تعظیم وتکریم نکل گئی، وہ دین، دین نہ رہا۔ خواہ وہ ادب اللہ کا ادب تھا یا اللہ کے رسول کا ادب تھا یا صحابہ، اہل بیت، اولیاء وصالحین یا اللہ کی باقی مخلوق کا ادب تھا جو ہمارے جیسی یا ہم سے چھوٹی بڑی تھی۔ افسوس! ہماری زندگیوں سے ادب نکل گیا ہے اور آج ہم ادب کی اہمیت سے بھی شناسا نہیں رہے بلکہ مذاق اڑاتے ہیں، اور یوں آداب بجا لانا ہمیں اجنبی اور عجیب محسوس ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت کا شکر ہے کہ تحریک منہاج القرآن نے آقا ﷺ کے نعلین پاک کے تصدق سے اسی عقیدہ کو مضبوط ومستحکم کیا ہے۔ آج کے دور میں جب یہ اقدار اور تصورات ختم ہوگئے ہیں، اِن کا ادراک ختم ہوگیا ہے تو منہاج القرآن نے ادب وتعظیم مصطفیٰ ﷺ کا وہ عقیدہ اُس دور میں زندہ کیا ہے جو صدیوں قبل آقا ﷺ کی تعظیم وتکریم کے حوالے سے صحابہ کرامؓ کا عقیدہ اور تصور تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِس تحریک کو یہ شان اور اعزاز دیا ہے اور یہ اعزاز وشان بلاشبہ ہمارا طرۂ امتیاز اور خصوصیت ہے۔

❁❁❁❁❁

نشست دوم
حصہ 4

سہ روزہ دورۂ علوم الحدیث

حدیث ضعیف کی حجیت

امام بخاریؒ کے نزدیک حدیث ضعیف سے احتجاج و استدلال جائز ہے

خصوصی خطاب: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین

حدیثِ ضعیف کی حجیت کے حوالے سے ہمارے معاشرے میں کچھ اشکالات موجود ہیں، لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ائمہ و محدثین کے اقوال کی روشنی میں حدیثِ ضعیف کی حجیت کا مطالعہ کریں تاکہ اس ضمن میں پیدا ہونے والے جملہ شکوک و شبہات کا ازالہ ہوسکے۔

حدیث ضعیف: ائمہ کے اقوال کی روشنی میں

۱۔ امام ابن الصلاح نے اپنے ''مقدمہ'' میں حدیث ضعیف کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

کل حديث لم تجتمع فيه صفات الحديث الصحيح ولا صفات الحديث الحسن فهو ضعيف.

(ابن الصلاح، المقدمة)

ہر وہ حدیث جس میں حدیث صحیح اور حدیث حسن کی تمام شرائط جمع نہ ہوں، اُسے حدیث ضعیف کہتے ہیں۔

یعنی اگر حدیثِ صحیح یا حدیثِ حسن کی شرائط پوری ہونے میں تھوڑی سی بھی کمی رہ جائے تو وہ حدیث ضعیف کہلائے گی۔

حدیث ضعیف کی یہی تعریف امام نووی نے التقریب میں کی ہے۔

۲۔ علامہ سیوطی نے التدریب میں، امام سخاوی نے فتح المغیث میں اور دیگر ائمہ و محدثین نے اپنی کتب میں حدیث ضعیف کی یہ تعریف کی:

وهو ما لم تجتمع فيه صفات الحديث الحسن.

''جس میں حدیث حسن کی صفات (بتمام و کمال) موجود نہ ہوں، وہ حدیثِ ضعیف ہے''۔

امام ابن الصلاح نے حدیث ضعیف کی تعریف میں حدیث صحیح کا ذکر بھی کیا تھا جبکہ مذکورہ تعریف میں ائمہ نے حدیث صحیح کا نام لینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی، بلکہ صرف حدیث حسن کا نام لیا، اس لیے کہ حدیث حسن کا درجہ حدیث صحیح کے بعد ہے۔

۳۔ امام زین الدین العراقی نے التقیید والایضاح (جو ابن الصلاح کے مقدمہ پر النکت ہے) میں لکھا ہے:

وأما الضعيف فهو ما لم يبلغ مرتبة الحسن.

ضعیف اُس کو کہتے ہیں جو (حدیث نبوی ہے مگر) مرتبہ حسن تک نہیں پہنچی۔

۴۔ علامہ ذہبی اپنی کتاب الموقظة میں بیان کرتے ہیں:

ما نقص عن درجة الحسن قليلا فهو ضعيف.

وہ حدیث جو درجہ حسن سے تھوڑی سی بھی نیچے رہ جائے، وہ ضعیف ہے۔

۵۔ علامہ ذہبی الموقظة میں حدیث ضعیف کی تعریف کرنے کے بعد بڑی ہی نفیس بات فرماتے ہیں:

فآخر مراتب الحسن هي أوّل مراتب الضعيف.

(ذهبى، الموقظة)

☆ خطاب نمبر: Ba-126، مقام: جامع المنہاج، بغداد ٹاؤن، مورخہ: 08 اکتوبر 2017ء، ناقل: محمد خلیق عامر

مراتب اور درجات میں سے حدیث حسن کا سب سے آخری درجہ، حدیث ضعیف کا سب سے اُونچا درجہ ہے۔

یعنی حدیث حسن کے آخری درجے اور حدیث ضعیف کے سب سے پہلے درجے پر ان دونوں اقسام حدیث کی حدود مل جاتی ہیں۔ اس طرح اس درجے پر حسن اور ضعیف احادیث ایک ہوجاتی ہیں۔

۶۔ امام منذری حدیث ضعیف کے مقام و مرتبہ پر بحث کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ

الحديث الضعيف هو أدنىٰ حالا من الصحيح و الحسن. (منذري، الترغيب والترهيب، مقدمة)

حدیث ضعیف وہ ہوتی ہے جو حالِ اسناد میں صحیح اور حسن کے مقابلہ میں کم ہوتی ہے۔

مذکورہ تعریفات میں سے کسی ایک تعریف میں بھی ایسی بات نہیں کہی گئی اور نہ ہی گنجائش بنتی ہے کہ حدیث ضعیف کو رد کر دیا جائے۔ حدیث ضعیف کی مذکورہ تعریفات اُن ائمہ کی ہیں جن سے علم حدیث دنیا میں فروغ پایا اور جن میں سے ہر ایک معتمد اور معتبر ہے۔

امام بخاری کا ضعیف احادیث کو بیان کرنا

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ کسی بھی امام حدیث نے حدیث کی اقسام میں ''موضوع'' کو شمار ہی نہیں کیا اور نہ ہی کسی امام نے ''موضوع'' کو بیان کرنے کی اجازت دی بلکہ موضوع کو المکذوب، المختلق، المصنوع یعنی جھوٹی بات، جعلی اور من گھڑت قرار دیا ہے۔ جبکہ ضعیف حدیث کو نہ صرف ہر امام نے اقسامِ حدیث میں شمار کیا بلکہ ہر امام نے احادیث ضعیفہ روایت بھی کی ہیں۔

حتی کہ امام بخاری نے بھی اپنی کتاب **الأدب المفرد** میں احادیث ضعیفہ روایت کی ہیں۔ امام بخاری کے ہاں حدیث ضعیف کی روایت کرنا جائز ہے۔

امام بخاری کی الجامع الصحیح کے علاوہ دیگر کتب حدیث بھی ہیں جن میں ضعیف احادیث روایت کی گئی ہیں۔ صرف الجامع الصحیح میں ضعیف احادیث نہیں ہیں، اس لیے کہ اس کتاب کے لیے انہوں نے جو شرائط مرتب فرمائیں، ان ہی کے مطابق احادیث اس میں لائے۔

مثلاً: **رفع اليدين في الصلاة** (نماز میں رفع یدین کرنا) کے عنوان سے امام بخاری نے اپنے رسالہ میں احادیث ضعیفہ کو بیان کیا ہے اور اپنے مذہب کو ان ضعیف احادیث سے ثابت کیا ہے۔

اسی طرح **جزء القراءة خلف الإمام** (امام کے پیچھے قرات کرنا) کے عنوان سے آپ کی کتاب میں ضعیف احادیث موجود ہیں اور ان ضعیف احادیث سے بھی امام بخاری نے اپنے مذہب کو ثابت کیا ہے۔

اس بات کو ایک سادہ مثال سے سمجھتے ہیں: جس طرح ہر سکول یا پولیس اور فوج کا ایک یونیفارم ہے، جس کی پابندی ایک طالب علم، ایک پولیس والے یا فوجی پر ضروری ہے۔ اس یونیفارم کے بغیر طالب علم سکول میں داخل نہیں ہوسکتا اور فوجی یا پولیس والا اپنے فرائض ادا نہیں کرسکتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سکول بند ہو جانے اور شام کے اوقات میں بھی طالب علم پر یا فوجی پر یہ شرط رہے گی کہ اُس یونیفارم کے بغیر وہ کھیلنے بھی نہیں جا سکتا اور اُسے گھر میں بھی اسی یونیفارم کو پہنے رکھنا ہوگا؟ نہیں، ایسا نہیں ہوتا، بلکہ یونیفارم کی پابندی ایک خاص وقت کے لیے ہوتی ہے۔ جب سکول یا دفتری اوقات بدلے تو لباس بھی بدل گیا۔

اسی طرح امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی دو کتابوں کے لیے جو شرائط مقرر کیں تو ان شرائط کے تحت گویا وہ کہہ رہے تھے کہ ہماری ان دو کتابوں میں کوئی حدیث ان شرائط کے بغیر درج نہیں ہوئیں۔ ہاں البتہ جب میں **فاتحه خلف الامام** لکھوں گا تو اس میں ضعیف احادیث کو بھی درج کر دوں گا، اس لیے کہ میں ضعیف احادیث کو حدیث مانتا ہوں حتی کہ ضعیف احادیث سے استدلال کرنا میرا مذہب ہے۔ اگر حدیث ضعیف کلیتاً رد کئے جانے والی ہوتی تو امام بخاری اسے

اپنی کسی بھی کتاب میں نہ لیتے اور نہ اسے اپنا مذہب بناتے۔

الادب المفرد میں امام بخاری کا ضعیف رواۃ سے استدلال

امام بخاری کے مذہب میں ضعفاء سے روایت کرنا اور حدیث ضعیف سے احتجاج و استدلال کرنا جائز ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب الادب المفرد میں ضعیف حدیث کی بناء پر باب بھی قائم کئے ہیں۔ ضعیف حدیث سے ادب اور شریعت کا وہ مسئلہ بیان کرنا جس میں قوی سند سے حدیث موجود نہ ہو، جائز ہے۔

الادب المفرد میں امام بخاری کی روایت کردہ احادیث میں سے بطورِ مثال چند ضعیف راویوں کا ذکر ذیل میں درج کیا جارہا ہے:

۱۔ حدیث نمبر 12 میں عبداللہ بن صالح الجہنی ضعیف ہیں۔

۲۔ حدیث نمبر 40، 56، 64 اور 80 کے رُواۃ ضعیف ہیں۔

۳۔ حدیث نمبر 14 اور 15 میں عبد الرحمن بن شیبہ ضعیف ہیں۔

۴۔ حدیث نمبر 23 میں علی بن حسین بن واقد المروزی ضعیف ہیں۔

۵۔ حدیث نمبر 30 میں حسن بن بشر الہمدانی اور حکم بن عبد الملک ضعیف ہیں۔

۶۔ حدیث نمبر 43 میں محمد بن طلحہ مجہول، ضعیف اور متروک ہیں۔

۷۔ حدیث نمبر 45 میں عبید اللہ بن موہب کو امام احمد نے **لا یعرف** (معروف نہیں ہے) کہا۔ گویا کہ یہ ضعیف ہیں۔

۸۔ حدیث نمبر 51 میں ابو سعد سعید بن مزربان البقال الاعور ضعیف ہیں۔

۹۔ حدیث نمبر 61 میں الخزرج بن عثمان ابو الخطاب السعدی ضعیف راوی ہیں۔

۱۰۔ حدیث نمبر 63 میں سلیمان بن زید راوی ضعیف ہیں۔ انہیں کسی نے **لیس بثقة** کہا، کسی نے **متروک الحدیث** کہا اور کسی نے **کذاب** کہا۔

۱۱۔ حدیث نمبر میں 65 محمد بن عبد الجبار مجہول اور ضعیف راوی ہیں۔

۱۲۔ حدیث نمبر 94 میں الوصافی عبید اللہ بن ولید ضعیف ہیں، جنہیں کئی ائمہ نے ضعیف قرار دیا۔

۱۳۔ حدیث نمبر 111 میں لیث بن ابی سلیم القرشی ضعیف ہیں۔

۱۴۔ حدیث نمبر 112 میں عبد اللہ بن مساور مجہول ہیں۔

۱۵۔ حدیث نمبر 120 میں عبد الرحمن بن زیاد بن انعم الافریقی ضعیف ہیں، کئی ائمہ نے اُن کو ضعیف کہا۔

۱۶۔ حدیث نمبر 125 میں ابو عمر المنبھی النخعی ضعیف ہیں۔

۱۷۔ حدیث نمبر 137 میں یحییٰ بن ابی سلیمان ضعیف ہیں۔ امام بخاری نے انہیں خود کہا کہ **ھو منکر الحدیث**، ضعیف اور لیّن بھی کہا مگر اُن سے حدیث بھی لی ہے۔

۱۸۔ حدیث نمبر 141 میں نحاس بن قہم البصری کو محدثین نے ضعیف کہا اور کسی نے بھی ان کی توثیق نہیں کی۔

۱۹۔ حدیث نمبر 170 میں احمد بن عیسیٰ بن حسان ضعیف ہیں اور امام ابن معین نے قسم اُٹھائی یعنی **حلف ابن معین قال: أنه كذاب** لیکن امام بخاری نے ان کی روایت بھی لی کیونکہ دیگر طُرق سے تقویت ملی۔

۲۰۔ حدیث نمبر 185 میں محمد بن بلال ضعیف ہیں۔

۲۱۔ حدیث نمبر 221 میں بُرمہ بن لیث، نصیر بن عمر مجہول ہیں۔ احمد بن عاصم ابو محمد البلخی ابو حاتم نے کہا: **ھو مجھولٌ**

۲۲۔ حدیث نمبر 248 میں اسحاق بن ابراہیم بن علا الحمصی ضعیف ہیں، جن کے بارے میں ائمہ نے **لا بأس، لیس بثقة** کے الفاظ فرمائے۔

ان تمام ضعیف راویوں سے امام بخاری نے الادب المفرد میں فضائلِ اعمال، آداب، ترغیب و ترہیب اور دوسرے طرق کو تقویت دینے کے لیے احادیث بیان کی ہیں۔

سعودی عرب کے ایک سلفی عالم علامہ البانی ہیں، اُنہوں نے ہر کتاب کے اُوپر تصحیح کی ہے۔ امام بخاری کی کتابوں پر بھی تصحیح کی ہے۔ ’’**الادب المفرد**‘‘ کی تصحیح ’’**صحیح الادب المفرد**‘‘ کے نام سے کی ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے الادب المفرد میں جو احادیث صحیح ہیں، صرف اُن کو لے کر نئی کتاب بنا دی ہے اور وہ احادیث جو ضعیف ہیں، اُن کو نکال دیا ہے۔

علامہ البانی کا یہ اقدام ناجائز ہے۔ اس لیے کہ اپنے اس طرزِ عمل سے کیا وہ امام بخاری کے بھی استاد بننے لگے ہیں۔۔۔؟ کیا امام بخاری کو معلوم نہیں تھا کہ میں الادب المفرد میں ضعیف احادیث درج کر رہا ہوں اور یہ رواۃ ضعیف ہیں۔۔۔؟

یاد رکھیں! امام بخاری نے اِن احادیث کو ضعیف جان کر انہیں جامع الصحیح میں نہیں لیا مگر اپنی کتاب الادب المفرد میں لیا ہے تو اس کا مطلب ہے وہ ان دونوں کتب کے لیے خود الگ الگ شرائط مقرر فرما رہے ہیں۔ الجامع الصحیح کی شرائط الگ ہیں اور الادب المفرد کی شرائط الگ ہیں۔ جب انھوں نے الادب المفرد میں یہ شرط مقرر ہی نہیں کی کہ میں اس میں صرف صحیح سند سے حدیث درج کروں گا تو آپ کون ہوتے ہیں اس طرح کی شرط مقرر کرنے والے کہ ''الادب المفرد'' کو ''صحیح الادب المفرد'' کا نام دے کر صرف صحیح احادیث درج کریں اور ضعیف احادیث کو نکال دیں۔۔۔؟ آپ کو یہ حق کس نے دیا کہ جسے امام بخاری جائز سمجھیں، آپ اسے نکال کر ایک نئی کتاب وضع کر دیں۔۔۔؟

علامہ البانی کا یہ طرزِ عمل امام بخاری کے اوپر ایک تہمت لگانا ہے، اُن کے درجے کو کم کرنا ہے اور گویا طلبہ کے ذہن میں یہ بات ڈالنا ہے کہ امام بخاری کو معلوم نہیں تھا، اس لیے انہوں نے ضعیف روایات کو درج کردیا۔ میں اُن سے بڑا استاد ہوں، میں نے وہ ضعیف احادیث نکال دی ہیں۔ اس عمل سے علامہ البانی نے فن حدیث اور علم حدیث کے خلاف کیا۔

الادب المفرد چونکہ فضائل اور ترغیب و ترہیب پر ہے، اس لیے اس میں امام بخاری نے احادیث ضعیفہ سے سند لینا جائز سمجھا ہے اور ضعیف احادیث پر ابواب بھی قائم کئے۔ امام بخاری کے پاس الادب المفرد میں درج ابواب کے حوالے سے کوئی اور حدیث سندِ صحیح کے ساتھ دستیاب نہ تھی، ایک ہی حدیث تھی لہذا اسی کو درج کیا اور اسی پر باب قائم کیا۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ جب امام کوئی باب قائم کرتا ہے تو یہ اُس کا مذہب ہوتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ حدیث ضعیف سے حجت قائم کر رہا ہے اور استدلال کر رہا ہے، تب ہی تو ضعیف حدیث کی بنیاد پر باب قائم کیا۔ علامہ البانی نے امام بخاری کے تراجم الباب بھی نکال دیے اور اس طرح کرکے گویا اس کتاب سے امام بخاری کا مذہب بھی نکال دیا۔ یہ کوئی عقلمندی کا کام نہیں ہے۔ ہر ایک کتاب کے قواعد الگ الگ ہوتے ہیں۔ ہاں اگر صحیح بخاری میں کوئی ضعیف ملے تو آپ اعتراض کریں، اس لئے کہ اس کو الصحیح کہا اور اس کے لئے امام بخاری نے الگ شرائط مقرر کی ہیں۔ جبکہ الادب المفرد کو امام بخاری نے صحیح کا نام اس لیے نہ دیا تاکہ یہ ثابت ہوجائے کہ حدیث ضعیف پھینکنے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ وہ بھی قبول کیے جانے کے قابل اور عمل کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ اگر حدیث ضعیف سے آداب، فضائلِ اعمال، ترغیب، قصص، زہد، رقائق کے مسائل اور حسنِ خُلق کے مسائل ثابت ہو رہے ہوں تو جمیع معاملات میں ائمہ ضعیف احادیث کو لیتے تھے اور اُن سے مسائل اخذ کرتے تھے۔ ہاں البتہ یہ خیال رہے کہ عقیدہ، حلال و حرام کے احکام اور فرائض و واجبات حدیثِ ضعیف سے نہیں لیتے۔

حدیث ضعیف کا حکم

حدیث ضعیف کے حوالے سے امام بخاری کا یہ مذہب اس قاعدہ وکلیہ کی بناء پر ہے کہ

ضعف الإسناد لا يقضي ضعف المتن.

سند کا ضعیف ہونا اُس حدیث کے متن کو ضعیف نہیں کرتا۔

یعنی جب بھی کسی حدیث کو ضعیف کہا جائے گا تو اُس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی اسناد ضعیف ہیں مگر اس کا متن ضعیف نہیں۔ ممکن ہے اس مضمون کی حدیث کسی اور طریق اور صحیح سند کے ساتھ موجود ہو۔ لہذا جب کسی حدیث کے بارے یہ الفاظ آتے ہیں کہ **هذا حديث ضعيف**، تو اس کا مطلب ہے: **بهذا الاسناد**، اس سند کے ساتھ ضعیف ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی دوسرے طریق سے صحیح ہو۔ اس لئے تمام علماء و ائمہ حدیث ضعیف حدیث کو آداب، قصص، تذکیر، ترغیب و ترہیب، فضائل اعمال کے لیے قبول بھی کرتے اور عمل بھی کرتے۔ ائمہ ان ابواب میں سند میں لچک، آسانی اور نرمی رکھتے اور زیادہ سختی نہیں کرتے تھے۔ یعنی حدیث ضعیف کو قبول بھی کرتے اور اُس کے لیے سند کی نرمی اور لچک کی شرائط رکھتے۔

(جاری ہے) ❁❁❁❁❁

مسئلہ تملیک اور مصارف زکوٰۃ

قرآن مجید میں زکوٰۃ کے 8 مصارف بیان کئے گئے ہیں

بعض فقہا کے نزدیک تملیک اس لیے ہے تاکہ مال دار کا دینا اور حق دار کا لینا ثابت ہو جائے

مفتی عبد القیوم خان ہزاروی

سوال: رفاہی امور پر زکوٰۃ کی رقوم خرچ کرتے ہوئے تملیک کی شرط کا کیا حکم ہوگا؟

جواب: قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ ط وَاللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ.

”بے شک صدقات (زکوٰۃ) محض غریبوں اور محتاجوں اور ان کی وصولی پر مقرر کیے گئے کارکنوں اور ایسے لوگوں کے لیے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مقصود ہو اور (مزید یہ کہ) انسانی گردنوں کو (غلامی کی زندگی سے) آزاد کرانے میں اور قرضداروں کے بوجھ اتارنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر (زکوٰۃ کا خرچ کیا جانا حق ہے)۔ یہ (سب) اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے“۔ (التوبہ، ۹: ۶۰)

اس آیت مبارکہ میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے ساتویں مصرف (وَفِیْ سَبِيْلِ اللهِ) کا مفہوم بہت وسیع ہے یعنی اس مصرف کے تحت زکوٰۃ کی رقم بہت سے نیک امور میں خرچ کی جاسکتی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں امام فخر الدین الرازی لکھتے ہیں:

أَنَّ ظَاهِرَ اللَّفْظِ فِی قَوْلِهِ: وَفِي سَبِيلِ اللَّه لَا يُوجِبُ الْقَصْرَ عَلَى كُلِّ الْغُزَاةِ، فَلِهَذَا الْمَعْنَى نَقَلَ الْقَفَّالُ فِی تَفْسِيرِهِ عَنْ بَعْضِ الْفُقَهَاءِ: أَنَّهم أجازُوا صَرْفَ الصَّدَقَاتِ إِلَى جَمِيعِ وُجُوهِ الْخَيْرِ؛ مِنْ تَكْفِينِ الْمَوْتَى، وَبِنَاءِ الْحُصُونِ، وَعِمَارَةِ الْمَسَاجِدِ؛ لِأَنَّ قَوْلَهُ: وَفِي سَبِيلِ اللَّه عَامٌّ فِی الْكُلِّ.

”ارشادِ باری تعالیٰ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ کے ظاہری الفاظ غازیوں تک محدود کرنے کا موجب نہیں، اسی وجہ سے شیخ قفال نے بعض فقہاء سے نقل کیا کہ وہ تمام اُمورِ خیر میں صدقات خرچ کرنے کی اجازت دیتے، مثلاً میت کا کفن، قلعوں اور مساجد کی تعمیر کیونکہ ارشادِ ربانی وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ ان تمام کو شامل ہے“۔ (رازی، التفسیر الکبیر، ۱۶: ۹۰)

صاحب تفسیر المنار علامہ محمد رشید بن علی رضا قلمونی زکوٰۃ کے مصرف فی سبیل اللہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَالتَّحْقِيقُ: أَنَّ سَبِيلَ اللهِ هُنَا مَصَالِحُ الْمُسْلِمِينَ الْعَامَّةُ الَّتِی بِهَا قِوَامُ أَمْرِ الدِّينِ وَالدَّوْلَةِ دُونَ الْأَفْرَادِ ... وَمِنْ أَهَمِّ مَا يُنْفَقُ فِی سَبِيلِ اللهِ فِی زَمَانِنَا هَذَا إِعْدَادُ الدُّعَاةِ إِلَى الْإِسْلَامِ، وَإِرْسَالُهُمْ إِلَى بِلَادِ الْكُفَّارِ مِنْ قِبَلِ جَمْعِيَّاتٍ مُنَظَّمَةٍ تَمُدُّهُمْ بِالْمَالِ الْكَافِی كَمَا يَفْعَلُهُ الْكُفَّارُ فِی نَشْرِ دِينِهِمْ ... وَيَدْخُلُ فِيهِ النَّفَقَةُ عَلَى الْمَدَارِسِ لِلْعُلُومِ الشَّرْعِيَّةِ وَغَيْرِهَا مِمَّا تَقُومُ بِهِ الْمَصْلَحَةُ الْعَامَّةُ

”تحقیق یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مراد وہ مصالح اور مفید

کام ہیں جن سے مخصوص افراد نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو فائدہ پہنچے، جن سے دین اور دولت دونوں کو تقویت حاصل ہو۔ ہمارے زمانہ میں سب سے اہم کام جس میں اس مد کا روپیہ خرچ کیا جائے وہ مبلغینِ اسلام کو تیار کرنا ہے اور انہیں منظم انجمنوں کی نگرانی میں کفّار کے ممالک میں تبلیغِ دین کے لیے بھیجنا ہے اور ان کی مالی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ اس میں مدارسِ اسلامیہ داخل ہیں جن میں علم دینیہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ وہ کام جن میں مصلحت عامہ ہے''۔

(قلمونی، تفسیر القرآن الحکیم (تفسیر المنار)، ۱۰: ۴۳۵)

مقصد یہ ہے کہ علوم دینیہ عرف عام میں یا دیگر سوشل و سائنسی علوم جن سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچے، جیسے فزکس، کیمسٹری، جیو میٹری، حساب، معاشیات، طب، جغرافیہ، تاریخ اور دیگر علوم جدیدہ، سب فی سبیل اللہ میں شامل ہیں۔

فقہاء کرام مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَاَمَّا قَوْلُهُ تَعَالَى: (وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ) عِبَارَةً عَنْ جَمِيعِ الْقُرَبِ فَيَدْخُلُ فِيهِ كُلُّ مَنْ سَعَى فِي طَاعَةِ اللهِ تَعَالَى، وَسَبِيلِ الْخَيْرَاتِ.

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ) یہ سارے نیک کاموں کی تعبیر ہے، اس لئے اس میں ہر ایسا امر داخل ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اچھائی کے لیے کیا گیا ہو۔

(علاء الدین الکاسانی، بدائع الصنائع، ۲: ۴۵)

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی مجلس المجمع الفقہ الاسلامی کے اجلاس منعقدہ 28 ربیع الآخر 1405 ہجری بمطابق 19 جنوری 1985 عیسوی میں علماء کے اجتماعی فیصلہ سے جو قرار داد منظور ہوئی اس میں فی سبیل اللہ کے مصرف کے بارے میں جو فیصلہ کیا گیا، اس میں درج ہے:

...... فإن المجلس يقرر بالأكثرية المطلقة دخول الدعوة إلى الله تعالى، وما يعين عليها، ويدعم أعمالها، في معنى: (وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ) في الآية الكريمة.

''۔۔۔۔ یہ مجلس مطلق کثرتِ رائے سے طے کرتی ہے کہ دعوت الی اللہ اور جو چیزیں اس میں معاون ہوں اور جو کام اس کو تقویت پہنچانے والے ہوں وہ سب آیت کریمہ میں مذکور وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ کے معنی میں داخل ہیں''۔

(عبد اللہ بن محمد الطیّار، عبد اللہ بن محمّد المطلق، محمّد بن ابراہیم الموسیٰ، الفقہُ المیسَّر، ۹: ۱۲۱، الریاض: المملکۃ العربیۃ السعودیۃ)

درج بالا المجمع الفقہ الاسلامی مکہ کے فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ مجاہد الاسلام قاسمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''بدلتے ہوئے حالات میں علماء کی مذکورہ بالا آراء اور المجمع الفقہ الاسلامی مکہ کے اس فیصلہ کے پیشِ نظر فی سبیل اللہ کا مصداق تمام امور کو قرار دیا جا سکتا ہے جو دین کی دعوت، اس کی تدریس، اس کی نشرواشاعت اور اس کی خدمت کے تعلق سے ملّت کو درپیش ہیں۔ اس مفہوم کو عسکری جہاد تک محدود رکھنا صحیح نہ ہوگا''۔ (قاسمی، مصرف زکاۃ فی سبیل اللہ: ۲۰۶)

ان تصریحات کے مطابق فی سبیل اللہ کے مفہوم اور مصداق میں بہت وسعت پائی جاتی ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کے اس مصرف کو صرف عسکری جہاد، غازیوں کی حوصلہ افزائی اور حاجیوں کے لیے مقید کرنا جائز نہیں ہے۔ عصرِ حاضر میں دین کی ترویج و اشاعت، دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، کتب دینیہ وعصریہ کی ترسیل اور اصلاح معاشرہ کی خاطر اٹھائے جانے والے ہر قدم کے لیے زکوٰۃ کی رقم خرچ کر سکتے ہیں۔

مسئلہ تملیک اور اقوالِ فقہاء

تملیک سے مراد مالک بنانا ہے یعنی متعلقہ فرد یا جماعت کو زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے تاکہ مالدار کا دینا اور حقدار کا لینا ثابت ہوجائے۔ یہ ایک تعبیری اور اجتہادی مسئلہ ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کے لیے تملیک کے لازمی شرط ہونے کے حوالے سے فقہاء کرام کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے:

۱۔ فقہاء کرام کا ایک طبقہ ادائیگیِ زکوٰۃ کی صحت کے لیے تملیک شخصی کو بنیادی رُکن اور شرط کا درجہ دیتا ہے۔ اس طبقہ کے مؤقف کے مطابق مالِ زکوٰۃ کو جب تک قرآن کے بیان کردی مصارفِ زکوٰۃ، فقراء ومساکین، غربا وبیوگان اور یتامیٰ وغیرہ کی ذاتی ملکیت اور انفرادی تصرف میں کلیتًا نہ دے دیا جائے، زکوٰۃ کی ادائیگی درست اور جائز نہیں ہوتی اور نہ ہی

مالکِ مال ادائیگیِ زکوٰۃ کے فریضہ سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے۔ اس تصور کے پیشِ نظر لوگ اپنی زکوٰۃ کی رقم اپنے مستحق اَعزاء واقرباء اورغریب گھرانوں میں دے دیتے ہیں۔ انہیں یہ خیال رہتا ہے کہ شاید قومی سطح پر اِجتماعی مقاصد ومصالح اور فلاحی منصوبوں کے لیے زکوٰۃ کا دیا جانا اَز روئے شریعت مقبول نہیں۔

شرطِ تملیک کے پیشِ نظر بعض فقہاء کرام نے بیان کیا ہے کہ خانقاہیں، مساجد، سرائے، پانی کی سبیلیں اور حوض بنانے، پلوں کی مرمت کرنے، مُردوں کی تکفین وتدفین جیسے نیکی کے کاموں میں زکوٰۃ کو صرف کرنا جائز نہیں کیونکہ ان میں تملیک بالکل نہیں پائی جاتی۔ اسی طرح کسی شخص نے مالِ زکوٰۃ سے طعام خریدا اور فقراء کو صبح وشام کھانا کھلایا لیکن عین طعام ان کے سپرد نہیں کیا تو زکوٰۃ کی ادائیگی درست نہ ہوئی کیونکہ اس صورت میں تملیک نہیں ہوئی۔ اسی طرح اگر صاحبِ نصاب نے مالِ زکوٰۃ سے کسی زندہ فقیر کا قرض اس کے حکم کے بغیر ادا کر دیا تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں بھی فقیر کو مالک نہیں بنایا گیا، اسی طرح اگر کسی شخص نے مالِ زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کر دیا تو یہ جائز نہیں۔

۲۔ اس کے برعکس بعض فقہاء کرام کا مؤقف ہے کہ ادائیگیِ زکوٰۃ میں تملیک ضروری نہیں کیونکہ اِنفرادی تملیک کا معنیٰ ومفہوم آیتِ مصارف کے سیاق وسباق سے اخذ ہوتا ہے نہ اِقتضاء النص سے واضح ہوتا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس تاویل وتعبیر کی کوئی دلیل نہیں ملتی، نہ اَقوال وآثارِ صحابہ سے اس کی تائید ملتی ہے اور نہ ہی فقہاء کرام کی طرف سے بیان کردہ زکوٰۃ کا شرعی معنیٰ تملیک کے تصور کو اُجاگر کرتا ہے۔

مسئلہ تملیک پر اختلافِ فقہاء کی وجہ

ادائیگی زکوٰۃ کے صحیح ہونے کے لیے تملیک کے شرط ہونے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف کی وجہ آیتِ مصارفِ زکوٰۃ میں کلمہ لِ میں مختلف معانی کا احتمال پایا جانا ہے۔ آیت مصارف میں لِلْفُقَرَاءِ کی ''لِ'' کی مقصدیت اور معنوی تحقیق وتعیین پر مفسرین کرام اور اہلِ علم کے ہاں مسئلہ تملیک کا اِختلاف پیدا ہوا۔ اِس کی مختلف تشریحات وتوضیحات پیش کی گئیں۔ عربی لغت میں ''لام'' درج ذیل مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے:

۱۔ لام برائے اَجل (کے لیے)

۲۔ لام برائے اِختصاص (خاص کرنا)

۳۔ لام برائے اِستحقاق (مقدار ہونا)

۴۔ لام برائے تملیک (مالک بنانا)

۵۔ لام برائے اِنتفاع (فائدہ پہنچانا)

۶۔ لام برائے تقدیر مفروضہ (تکمیلِ اَمر)

عام طور پر لام یعنی ''لِ'' کا معنی ''کے لیے'' کیا جاتا ہے۔ اس کی تفسیر وتشریح کی بناء پر یہ مسئلہ پیچیدہ ہوگیا ہے۔ جو فقہاء کرام ادائیگیِ زکوٰۃ کے صحیح ہونے کے لیے تملیک کو شرط قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک آیتِ مصارف میں ''لِ'' برائے تملیک ہے اور جو فقہاء کرام اور ائمہ تفسیر ''لِ'' کو تملیک کے لیے نہیں مانتے، ان کے نزدیک آیت میں ''لِ'' دوسرے معانی یعنی تخصیص، اِستحقاق، اِنتفاع اور اِختصاص کے لیے استعمال ہوا ہے۔

پھر وہ علماء وفقہاء اور مفسرین کرام جنہوں نے مسئلہ زکوٰۃ میں ذرا سخت مؤقف اختیار کیا ہے اور ''لِ'' کے معنیٰ کے تعین میں تملیک کو خاص کیا ہے، ان کے ہاں بھی صرف درج ذیل پہلی چار مدات میں اِنفرادی وشخصی تملیک پائی جاتی ہے:

۱۔فقراء　　　　۲۔مساکین

۳۔عاملینِ زکوٰۃ کا اِنتظامی اور مالی اِدارہ　　۴۔مؤلفۃ القلوب

جبکہ درج ذیل چار مدات اِجتماعی مقاصد مصالح کے لیے قرار دی جاتی ہیں:

۱۔الرقاب (غلاموں کی آزادی)　　　۲۔الغارمون (مقروض)

۳۔فی سبیل اللہ　　　　۴۔ابن السبیل

بعض فقہاء ومفسرین کے لیے نزدیک پہلی ''لام'' لِلْفُقَرَاءِ سرے سے تملیک کے لیے ہے ہی نہیں۔ اس موقف کے حامل فقہاء ومفسرین کے نزدیک جملہ مصارفِ زکوٰۃ میں سے کسی کو بھی مالک بناتے ہوئے یا نہ بناتے ہوئے مالِ زکوٰۃ دیں تو حرج نہیں۔ لہٰذا زکوٰۃ کسی قسم کی شرط کے بغیر بھی ادا ہوجائے گی۔

راجح قول

مختلف فقہاء کرام کے اِجمالی مؤقف سے بنیادی نکتہ بہرحال واضح ہو جاتا ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک ذاتی شرط نہیں بلکہ اس میں بڑی وسعت پائی جاتی ہے اور ادائیگی کے لیے بہت سے طریقے اپنائے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ تصور کرنا کہ زکوٰۃ صرف انفرادی طور پر لوگوں کو دینے سے ہی ادا ہو گی، اجتماعی مقاصد ومصالح پر خرچ نہیں ہوسکتی، یہ تصور سرے سے کسی فقہی مذہب میں نہیں ہے، نہ احناف اور مالکیوں کا ہے، نہ شوافع اور حنابلہ کا قول ہے۔

تمام فقہاء کرام کا یہ متفقہ اُصول ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں کسی قسم کی زیادتی، بلادلیلِ شرعی قرآنی علوم کی تخصیص اور کسی مطلق کی تقیید وتشریط کا حق کسی فردِ بشر کوحاصل نہیں، جب تک کہ اس کی اصلِ شریعت میں موجود نہ ہو۔ چنانچہ اس قاعدے کے مطابق آیتِ مصارف میں زکوٰۃ وصدقات کی ادائیگی کے باب میں تملیک کی شرط عائد کرنا اور لِلْفُقَرَاءِ کے لام کو تملیک کے لیے خاص کرنا کتاب اللہ کے مطلق حکم کو مقید کرنا ہے، جبکہ اس کی تقیید کی کوئی اصل شریعت میں موجود نہیں ہے۔

آیتِ مصارف کے سیاق وسباق (توبہ:۵۸، ۵۹) سے بھی اس مؤقف کی تائید ہوتی ہے کہ تملیک شخصی شرط نہ ہو۔ آیتِ مصارفِ زکوٰۃ کے سیاق وسباق میں منافقین کا ذکر ہو رہا ہے، جو اپنے ذاتی نقصان کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سوءِ ظن رکھتے تھے کہ اگر ان کی خواہش کے مطابق صدقات میں سے دے دیا جاتا تو خوب تعریفیں کیا کرتے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو الزام تراشی کرتے کہ (معاذ اللہ) حضور نبی اکرم ﷺ نے جانب داری کا ثبوت دیا ہے۔

ان منافقین کے نفاق، طمع اور حرص کو واشگاف الفاظ میں بیان کرتے ہوئے انہیں متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم زکوٰۃ وخیرات کے مستحق نہیں ہو بلکہ اس کے اصل حق دار تو فقراء ومساکین ہیں۔ چنانچہ آیت کا سیاق سباق بھی اسی بات کا متقاضی ہے کہ یہ لام تملیک کے لیے نہیں بلکہ اِختصاص ہی کے لیے ہے۔

سیاق وسباق سے یہی مفہوم واضح ہوتا ہے کہ مال کوکسی کی مِلک میں دینے کی کوئی صراحت نہیں بلکہ یہاں تو مستحقینِ زکوٰۃ وخیرات کی اَصناف کوتفصیل کے ساتھ بیان کرنا مقصود ہے۔

احمد بن منیر اسکندری نے الکشاف کے حاشیہ میں اس آیت کی تصریح کی ہے کہ آیتِ مصارف کا سیاق تملیک کو بیان نہیں کرتا۔

لا يساعده السياق فإن الآية مصدرة بكلمة الحصر الدالة على أن غيرهم لا يستحق فيها نصيباً فهذا هو الغرض الذى سبقت له فلا اقتضاء فيها لما سواء والله أعلم.

آیت کا سیاق بھی لامِ تملیک کے تصور کی موافقت نہیں کرتا کیونکہ آیت مبارکہ تو کلمہ حصر -اِنَّمَا- سے شروع ہو رہی ہے۔ جو اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے علاوہ کوئی حقدار نہیں۔ یہی وہ غرض ہے جس کی وجہ سے کلام کو لایا گیا ہے۔ سو اس مفہوم کو لینے کے لیے آیت میں کوئی تقاضا (دلیل) نہیں اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی اور قرینہ موجود ہے۔ (ابن المنیر، الانتصاف علی الکشاف عن حقاءق غوامض التنزیل، ۲: ۲۸۲)

خلاصہ کلام

دلائل قرآنیہ اور اقوال اَئمہ وفقہاء کی روشنی میں ایک واضح موقف سامنے آتا ہے وہ یہ کہ لام برائے تملیک مراد لینا کسی صورت بھی درست نہیں ہے کیونکہ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ تملیک کی شرط نہ ہو۔ نیز ادائیگیِ زکوٰۃ کا مُدعا اور مقصد دلوں سے مال کی محبت کو کم کرنا ہے۔ اب اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے تملیک ضروری نہیں، خواہ یہ مقصد انفرادی طریق پر پورا ہو یا اِجتماعی پر، ہرطرح درست ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اگر کوئی مستحق مل جائے تو فبہا ورنہ اجتماعی فلاح وبہبود کے منصوبوں پر زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جائے۔ یہ اسلام کے تقاضوں کے عین مطابق ہے کیونکہ اسلام صرف انفرادی عمل نہیں بلکہ اجتماعی عمل کا دین بھی ہے۔

❁❁❁❁❁

خُلقِ مصطفیٰ ﷺ کا حسین تذکرہ

آپ ﷺ کی ذات مبارکہ اپنے اقوال، اعمال، احوال کے باعث توحید کی دلیل قرار پائی

حضور نبی اکرم ﷺ صرف وہی کلام فرماتے تھے جس میں خیر ہوتی تھی

آپ ﷺ عفت، عزت، صبر اور سخاوت و شجاعت کا پیکر تھے

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری

اخلاقِ مصطفیٰ ﷺ کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشادفرمایا:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم،۶۸:۴)

’’اور بے شک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں (یعنی آدابِ قرآنی سے مزّین اور اَخلاقِ اِلٰہیہ سے متّصف ہیں)‘‘۔

ایک صحابی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور پوچھا: ام المومنین! ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں بتائیں۔ آپؓ اس سے مخاطب ہوکر فرماتی ہیں:

أَمَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ: آقا ﷺ کے اخلاق حسنہ کے بارے میں پوچھنے والے! پہلے یہ تو بتاؤ کہ کیا تونے قرآن نہیں پڑھا؟

کان خلقه القرآن

اخلاقِ مصطفیٰ ہی تو قرآن ہے۔

(أخرجه أحمد بن حنبل في المسند، ۶: ۹۱، الرقم ۲۴۶۴۵)

یعنی جو کچھ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے وہ خلقِ مصطفیٰ ﷺ ہی تو ہے۔ اگر قرآن مجید کو پڑھنا چاہتے ہو تو اس کے الفاظ کو پڑھو اور اگر قرآن میں جو کچھ بیان ہوا ہے، اُسے کامل صورت میں دیکھنا چاہتے ہو تو میرے مصطفیٰ ﷺ کو دیکھو۔

قرآن مجید میں جابجا حضور نبی اکرم ﷺ کے خَلق اور خُلق کے تذکرے موجود ہیں۔ آپ ﷺ کے چہرہ انور، زلفِ عنبریں، نگاہ مبارک، سینہ اطہر، ہاتھ مبارک حتی کہ آپ کی پوری زندگی کی قسم کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ آپ کے تحمل و برداشت، رفق، استقامت، صبر، شکر، سخاوت اور دیگر اوصاف و اخلاق عالیہ کا ذکر بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی ہر سورت، ہر آیت اور ہر حرف کا ایک ظاہر بھی ہے اور ایک باطن بھی ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ خُلقِ مصطفیٰ ﷺ کا بھی ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ جو باطنِ قرآن تک پہنچا اُسے باطنِ مصطفیٰ ﷺ کی حقیقت مل گئی اور جو ظاہرِ قرآن تک پہنچا وہ ظاہرِ مصطفیٰ ﷺ کی حقیقت سے شناسا ہوگیا۔ اسی طرح جو حقیقتِ قرآن تک پہنچا اُسے حقیقتِ مصطفیٰ ﷺ مل گئی اور جو نورِ قرآن تک پہنچا، اُسے نورانیتِ مصطفیٰ ﷺ مل گئی۔

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو شرفِ نبوت و رسالت سے سرفراز فرماکر اس دنیا میں مبعوث فرمایا۔ اعلان نبوت سے قبل محبوب ﷺ کے کمالات، اوصاف، اخلاق، شمائل، خصائص اور محبوب کی اداؤں کو دنیا کو دکھایا کہ میرے محبوب ﷺ جیسا کوئی نہیں اور پھر بالآخر اس ذات و کردار کو اپنی توحید کی دلیل کے طور پیش کیا۔

اعلان نبوت کے وقت آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے اُن 40 سالوں کو کفارِ مکہ کے سامنے بطورِ دلیل بیان کیا جو آپ ﷺ نے ان کے درمیان رہ کر گزارے۔ ارشادفرمایا:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

’’بے شک میں اس (قرآن کے اترنے) سے قبل (بھی) تمہارے اندر عمر (کا ایک حصہ) بسر کرچکا ہوں، سو کیا تم عقل نہیں رکھتے‘‘۔ (یونس،۱۰: ۱۶)

یعنی اگر تمہیں میری اس 40 سالہ زندگی میں سے کسی ایک بھی لمحہ پر کوئی اعتراض و شک ہو تو بے شک میری اس دعوت کو قبول نہ کرو لیکن اگر تمہیں میری گزشتہ 40 سال کی

زندگی میں کوئی اشکال اور شک و شبہ کی گرد بھی نظر نہ آئے تو پھر جان لو کہ میں تمہیں جس اللہ کی وحدانیت کی طرف دعوت دے رہا ہوں، میری یہ دعوت حق ہے اور اُس کی وحدانیت و الوہیت پر سب سے بڑی دلیل میری ذات ہے۔

خُلقِ حسنہ کا بیان

حضور نبی اکرم ﷺ کے وہ اعمال، اخلاق، احوال اور اقوال کیا تھے، جس بناء پر آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ نہ صرف توحید کی دلیل قرار پائی بلکہ لقد کان لکم فی رسول الله اسوۃ حسنۃ کے تحت تا قیامت اسوہ حسنہ بھی قرار دی گئی۔ ذیل میں آپ ﷺ کے ان ہی اخلاق کی ایک جھلک ایک ایسی تفصیلی روایت سے پیش کی جارہی ہے، جو درج ذیل کتب حدیث میں روایت کی گئی ہے:

۱۔ الترمذی فی الشمائل المحمدیۃ،۲۔ الطبرانی فی المعجم الکبیر

۳۔ ابن حبان فی الثقات،۴۔ البیہقی فی شعب الإیمان

۵۔ ابن سعد فی الطبقات الکبری، ۶۔ ابن عساکر فی تاریخ مدینۃ دمشق، ۷۔ الہیثمی فی مجمع الزوائد

ان کتب کے علاوہ بھی کئی کتب احادیث میں اس روایت کا ذکر آیا ہے۔ اس موقع پر اِن تمام کتب سے جملہ اخلاقِ عالیہ کے بیان پر مشتمل ایک خوبصورت گلدستہ یہاں پیش کرتا ہوں تاکہ ہم بھی اِن کی خوشبو کو سونگھ سکیں اور اپنے قلب و روح میں اس خوشبو کو بساتے ہوئے اس سے اپنے اقوال، اعمال اور احوال کی بہتری کا سامان لے سکیں۔ اس لیے کہ اگر ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ عالیہ سے کچھ سیکھ لیتے ہیں، اِن اخلاق کا لباس یا ان کا رنگ اپنے سیرت و کردار پر چڑھا لیتے ہیں تو اسی میں ہماری دنیاوی و اُخروی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔

ایک دفعہ سیدنا حسنِ مجتبیٰ علیہ السلام نے ابی ہالہ کے بیٹے حضرت ابن ابی ہالہ جو رشتے میں آپ کے ماموں تھے، ان سے حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاق اور احوال کے متعلق پوچھا کہ مجھے حضور ﷺ کے اخلاق، اعمال اور احوال بتائیں تاکہ میں انہیں اپنے دل کے آئینے میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کرلوں۔ تو انہوں نے آقا ﷺ کے اخلاق حسنہ کو تفصیل سے بیان کیا۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے سوال پر حضرت ابن ابی ہالہ نے فرمایا:

۱۔ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ دَائِمَ الْبِشْرِ

آقا ﷺ کشادہ اور کھلتے ہوئے چہرے والے تھے۔

غور کریں کہ راوی نے بات بھی صورتِ مصطفیٰ ﷺ سے شروع کی کہ میرے مصطفیٰ ﷺ کا مکھڑا ایسا تھا کہ ان جیسا کوئی نہ تھا۔

۲۔ سَهْلَ الْخُلُقِ.

حضور ہمیشہ خوش خُلق اور نرم خُو تھے۔

یعنی بڑی نرم گفتگو فرمانے والے تھے، کبھی تُرش اور سخت بات نہیں کرتے تھے۔ یہ وہ اخلاق ہیں جن سے ہم جتنا سیکھ لیں، اتنا ہی ہمارے لیے زادِ راہ ہے۔

۳۔ لَيْسَ بِفَظٍّ، وَلَا غَلِيظٍ.

آپ ﷺ نہ تند خو تھے اور نہ سخت دل۔

یعنی پیکرِ رحمت، پیکرِ عفت، پیکرِ شفقت، پیکرِ عفو و درگز، پیکرِ کرم ہی کرم تھے۔

۴۔ وَلَا صَخَّابٍ، وَلَا فَحَّاشٍ.

آپ ﷺ نہ ترش انداز سے آواز بلند کرتے تھے اور نہ بدکلامی فرماتے تھے۔

یعنی حضور ﷺ جب بھی خطاب فرماتے تھے تو بڑے خوبصورت انداز سے خوش کلامی فرماتے تھے۔ اسی لیے تو اللہ رب العزت نے فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران،۳: ۱۵۹)

’’(اے حبیبِ والا صفات!) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تُندخُو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے‘‘۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں ہے مردِ خلیق

عشقِ الٰہی کی شراب پلانے والا بڑا خوش خُلق ہے، وہ کہتا ہے کہ پیتے بھی جاؤ اور تمہاری خیر بھی ہو۔ یہ وہ کریم اور لجپال ہے کہ کوئی در پر آجائے تو پیالے بھر بھر کے بھی دیتے ہیں اور ساتھ خیر کی دعائیں بھی دیتے ہیں۔

۵.   وَلَا عَيَّابٍ وَلَا مُشَاحٍّ.

آپ ﷺ نہ عیب جو تھے اور نہ بخیل تھے۔

۶.   يَتَغَافَلُ عَمَّا لَا يَشْتَهِي.

جس چیز کو پسند نہیں فرماتے تھے تو اس پر جھگڑا نہیں فرماتے تھے، بس صرفِ نظر سے کام لیتے تھے۔

یعنی اس پر سے نگاہِ مبارک بڑے پیار اور آرام سے ہٹا لیتے تھے تاکہ اسے محسوس بھی نہ ہو اور اُس سے کوئی جھگڑا بھی نہ ہو۔

۷.   وَلَا يُؤْيِسُ مِنْهُ رَاجِيَهُ.

آپ ﷺ سے عطا کی امید رکھنے والا کبھی خالی جھولی نہیں جاتا تھا۔ یعنی کوئی کافر، کوئی مشرک، کوئی دشمن ہی کیوں نہ آ جاتا، آپ ﷺ اُسے اس کی سوچ سے زیادہ عطا فرما دیتے تھے۔

۸.   وَلَا يُخَيِّبُ فِيهِ.

آپ ﷺ کی بارگاہ سے کوئی ناامید ہوکر نہیں جاتا تھا۔

۹.   لَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا فِيمَا رَجَا ثَوَابَهُ.

آپ ﷺ صرف وہی کلام فرماتے تھے جس میں خیر ہی خیر ہوتی تھی۔

یعنی کلامِ مصطفیٰ ﷺ مبنی برخیر تھا۔ ذہن میں رکھ لیں کہ حضور ﷺ کے عاشقِ حقیقی وہ ہی ہیں جو اخلاقِ مصطفیٰ ﷺ میں فنا ہوجاتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ حضور نبی اکرم ﷺ کی صحبت میں فنا تھے، وہ حضور ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

صحابہؓ جب حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تو:

وَإِذَا تَكَلَّمَ أَطْرَقَ جُلَسَاؤُهُ، كَأَنَّمَا عَلَى رُؤُوسِهِمُ الطَّيْرُ.

جب آقا ﷺ گفتگو فرماتے تھے تو صحابہ کرام اپنی نظروں کو حضور ﷺ کی بارگاہ میں جھکا دیتے تھے، ایسے لگتا تھا کہ جیسے اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں اور اگر انہوں نے معمولی سی بھی حرکت کی تو خطرہ ہے کہ اُڑ جائیں گے۔ اِس کا مطلب ہے کہ وہ پیکرِ ادب بن کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں بیٹھتے تھے۔

فَإِذَا سَكَتَ تَكَلَّمُوا وَلَا يَتَنَازَعُونَ عِنْدَهُ الْحَدِيثَ.

اور جب آپ ﷺ خاموش ہو جاتے تو پھر صحابہ کرام آپ ﷺ سے گفتگو کرنے کی اجازت لیتے اور جب اہلِ مجلس حضور ﷺ کی موجودگی میں آپس میں بھی گفتگو کرتے تو جھگڑا نہ کرتے۔

یعنی صحابہ نے یہ بھی اخلاقِ مصطفیٰ ﷺ سے سیکھا تھا۔

۱۰.   حَدِيثُهُمْ عِنْدَهُ حَدِيثُ أَوَّلِهِمْ.

گفتگو فرماتے ہوئے حضور ﷺ جس طرح پہلے شخص پر توجہ دیتے تھے اور اس کی بات کو سنتے تھے، وہی توجہ آخری شخص پر بھی ہوتی تھی اور اس کو بھی اسی طرح توجہ سے سنتے۔

کوئی غریب، فقیر یا کوئی غلام بھی بولتا تو اتنی توجہ سے سنتے جیسے کوئی سردار بول رہا ہے۔ یہ بھی کمالِ اخلاقِ مصطفیٰ ﷺ تھا۔

۱۱.   وَلَا يَقْطَعُ عَلَى أَحَدٍ حَدِيثَهُ حَتَّى يَجُوزَ فَيَقْطَعُهُ بِنَهْيٍ أَوْ قِيَامٍ.

آپ ﷺ کبھی بھی کسی شخص کی گفتگو کو نہ کاٹتے تھے اور نہ ٹوکتے تھے۔ حتی کہ اگر کوئی شخص آپ ﷺ کی بارگاہ میں حد سے تجاوز کرنے لگتا تو آپ ﷺ اُس کو پیار سے روک دیتے یا خاموشی کے ساتھ مجلس سے اُٹھ کر تشریف لے جاتے اور وہ شخص خود سمجھ لیتا کہ شاید میں نے حد سے تجاوز کیا۔

☆ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ایک خوبصورت حدیث روایت کی ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ کی مجلس میں سیدنا صدیقِ اکبرؓ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور وہ سیدنا صدیقِ اکبرؓ پر تہمت لگانے لگا۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ خندہ پیشانی سے سنتے رہے اور اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے پھر تہمت لگائی، آپ خاموش رہے حتی کہ اس کی ہر تہمت پر آپؓ نے جواب نہیں دیا اور خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے سر نیچے جھکا لیتے۔ اُن کی یہ کیفیت دیکھ کر آقا ﷺ مسکراتے رہے۔ جب اس شخص نے پانچویں دفعہ تہمت لگائی تو پھر سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے اُس شخص کو جواب دے دیا۔ آپؓ نے جیسے ہی اسے جواب دیا تو آقا ﷺ اس مجلس سے اُٹھ کر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے بھی مجلس چھوڑی دی اور آقا ﷺ کے پیچھے چلے گئے اور عرض کیا کہ حضور ﷺ کیا مجھ سے کوئی گستاخی ہوگئی جو آپ ﷺ وہاں سے تشریف لے آئے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر جب تک تو خاموش تھا اور اپنا جواب خود نہیں دیتا تھا تو تیرے دفاع میں اللہ رب العزت نے اپنا فرشتہ بھیجا تھا، جب وہ شخص تہمت لگاتا تھا تو خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ تیری طرف سے اسے جواب دے رہا ہوتا تھا۔ میں اس صورتِ حال میں خدا کا شکر ادا کر رہا ہوتا تھا کہ اے مولیٰ! تیرا شکر ہے کہ

تو نے ابو بکر کے لیے اپنا فرشتہ بھیجا اور فرشتے کا جواب سن کر مسکرا رہا تھا۔ جیسے ہی تو نے خود اپنا جواب دینا شروع کر دیا تو فرشتہ واپس چلا گیا۔ پس جب فرشتہ چلا گیا تو میں بھی اس مجلس سے اُٹھ گیا۔ (أحمد بن حنبل، المسند، ۲:۴۳۶، رقم ۹۶۲۲)

درج بالا حدیث مبارکہ کی روشنی میں ہمیں اپنے اخلاق و کردار پر نظرِ ثانی کرنا ہوگی کہ اس حوالے سے ہمارا طرزِ عمل کیا ہے۔

۱۲. كَانَ لَا يَتَكَلَّمُ فِي غَيْرِ حَاجَةٍ. وَيَتَكَلَّمُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ. كَانَ يُحَدِّثُ حَدِيْثًا لَوْ عَدَّهُ الْعَادُّ لَأَحْصَاهُ.

آپ ﷺ بلا ضرورت کوئی گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی گفتگو مبارک بھی بامعنیٰ و بامقصد ہوتی تھی اور ہمیشہ جو بھی فرماتے تھے وہ جوامع الکلم ہی ہوتے تھے۔ جب آقا ﷺ گفتگو فرماتے تھے تو آپ اِس انداز سے گفتگو فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص آپ ﷺ کے الفاظ گننا چاہتا تو وہ ایک ایک لفظ گن سکتا تھا یعنی اِس ٹھہراؤ سے گفتگو فرماتے تھے۔

۱۳۔ دیگر کتبِ حدیث میں حضور نبی اکرم ﷺ کے کلام کرنے کی کیفیت یوں بیان کی گئی:

كَانَ كَلَامُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ كَلَامًا فَصْلًا، يَفْهَمُهُ كُلُّ مَنْ سَمِعَهُ (أبو داود في السنن، کتاب الأدب، باب الهدی فی الکلام، ۴: ۲۶۰، الرقم ۴۸۳۸)

آقا ﷺ کا کلام، کلامِ فصل تھا۔ یعنی اِتنا ٹھہراؤ، ترتیل اور ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے کہ مجلس کے آخر میں بیٹھا ہوا شخص بھی اُسی طرح سنتا تھا جس طرح آگے بیٹھا ہوا شخص سنتا تھا۔

۱۴. كَانَ فِي كَلَامِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ تَرْتِيلٌ أَوْ تَرْسِيلٌ

آپ ﷺ کے کلام میں ٹھہراؤ بھی تھا، آپ ﷺ صاف صاف لفظوں کے ساتھ کلام فرماتے تھے۔ (أبو داود فی السنن، کتاب الأدب، باب الهدی فی الکلام، ۴: ۲۶۰، الرقم ۴۸۳۸)

۱۵. لَيْسَ بِالْجَافِي. وَلَا الْمُهِيْنُ. يَضْحَكُ مِمَّا يَضْحَكُوْنَ مِنْهُ.

آپ ﷺ نہ سخت دل تھے اور نہ سخت طبع تھے بلکہ بہت شفیق اور رقیق القلب تھے۔ آقا ﷺ ایسی دلجوئی فرماتے تھے کہ آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے صحابہ کرام اگر کسی بات پر ہنستے تھے تو آپ ﷺ ان کی دلجوئی میں مسکرا پڑتے تھے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم اجنبی ہیں اور حضور ہمارے ساتھ نہیں۔

۱۶۔ وَيَتَعَجَّبُ مِمَّا يَتَعَجَّبُوْنَ مِنْهُ.

اور جس بات پر لوگوں کو تعجب ہوتا تھا تو میرے محبوب متعجب ہو کر اپنے انداز مبارک سے احساس دلاتے تھے کہ مجھے بھی اُس پر اُسی طرح تعجب ہوا ہے۔

۱۷. وَيَقُوْلُ: إِذَا رَأَيْتُمْ طَالِبَ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَأَرْفِدُوْهُ.

حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اخلاق یہ ہے کہ جب کسی حاجت مند کو اپنے در پر دیکھو تو اُس کی حاجت روائی میں دیر مت کیا کرو، کیونکہ اُس کو انتظار کروانا اچھی بات نہیں ہے۔ جو دے سکتے ہو دے دیا کرو مگر یہ مت کہا کرو کہ کل آ جانا، پھر آ جانا۔

۱۸۔ وَلَا يَقْبَلُ الثَّنَاءَ إِلَّا مِنْ مُكَافِيءٍ.

آقا ﷺ اپنی مجلس میں کسی ایسے کو جو آپ ﷺ کی تعریف کرتا، پسند نہیں فرماتے تھے اور اگر کوئی ضد کر کے تعریف کر دیتا تھا تو خاموش ہو جاتے تھے۔

۱۹۔ كَانَ يَبْدَأُ مَنْ لَقِيَ بِالسَّلَامِ.

جب بھی کوئی شخص حضور ﷺ سے ملتا تھا یا آپ ﷺ خود کہیں تشریف لے جاتے تو سلام کرنے میں خود پہل فرماتے۔

اگر ہم اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لیں تو ہم تو چودھری بن جاتے ہیں کہ اُس نے سلام نہیں کیا، اُس نے مڑ کر نہیں دیکھا، اُس نے مصافحہ نہیں کیا تو میں کیوں اس کی طرف جاؤں، وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔ ہم اس طرح کے جملے بولتے ہیں۔ کاش کبھی حضور ﷺ کے اخلاق کو پڑھ کر دیکھا ہوتا۔

۲۰. وَكَانَ يُؤَاخِي بَيْنَ أَصْحَابِهِ.

صحابہ کرامؓ میں سے اگر دو بھائی آپس میں لڑ پڑتے تو حضور ﷺ ان کے درمیان دوستی کرواتے تھے۔

(مسلم فی الصحیح، کتاب فضائل الصحابة ﷺ، باب مؤاخاة النبی ﷺ بین أصحابه ﷺ، ۴: ۱۹۶۰، الرقم ۲۵۲۸)

اخلاقِ مصطفیٰ ﷺ یہ ہے کہ لڑنے والوں کے درمیان صلح کرواؤ مگر ہمارے اخلاق کا یہ عالم ہے کہ ہم لڑواتے ہیں اور جوڑنے کی بجائے توڑتے ہیں۔

۲۱. كَانَ نَظَرُهُ إِلَى الْأَرْضِ أَطْوَلَ مِنْ نَظَرِهِ إِلَى السَّمَاءِ.

زیادہ تر آقا ﷺ کی نگاہِ اقدس زمین کی طرف رہتی تھی،

آسمان کی طرف بہت کم نظر اُٹھاتے تھے۔

معلوم ہوا کہ نگاہوں کو جھکا کر رکھنا بھی خُلق مصطفیٰ ﷺ ہے۔

۲۲. كَانَ إِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ جَمِيعًا.

جب آقا ﷺ کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو جسم مبارک کے تمام اعضاء کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے۔

اس حوالے سے اگر ہم اپنے آپ کو دیکھیں تو ہماری آنکھیں ایک طرف ہوتی ہیں تو چہرہ دوسری طرف ہوتا ہے، ہاتھ اِدھر ہوتا ہے اور چل اُدھر رہے ہوتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل اخلاقِ مصطفیٰ ﷺ نہیں ہے۔

۲۳۔ لَيْسَتْ لَهُ رَاحَةٌ.

آپ ﷺ ہر وقت مشقت میں رہتے۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ فرماتے رہتے یا عمل کرتے رہتے تھے۔ یعنی حضور ﷺ کبھی فارغ وقت گزارتے ہی نہ تھے۔

۲۴. كَانَ يُعَظِّمُ النِّعْمَةَ، وَإِنْ دَقَّتْ.

اگر کوئی احسان کرتا تو حضور ﷺ اُس کے احسان کا بدلہ بڑھا کر چکاتے تھے۔

۲۵. لَا يَذُمُّ مِنْهَا شَيْئًا.

اور اگر کوئی غلطی کر دیتا تو حضور ﷺ اُس کی مذمت نہ کرتے۔

یعنی اس کی غلطی کو بار بار بیان نہ کرتے بلکہ ہمیشہ اُس کی بھلائی کو بیان کرتے۔

۲۶. إِذَا أَشَارَ أَشَارَ بِكَفِّهِ كُلِّهَا.

حضور ﷺ جب کسی کی طرف اشارہ کرتے تو پورے دستِ اقدس سے مکمل اشارہ فرماتے اور ادھورے انداز میں اشارہ بھی نہیں فرماتے تھے۔

۲۷. وَإِذَا فَرِحَ غَضَّ طَرْفَهُ.

جب حضور ﷺ کسی بات پر خوش ہوتے تو علامت یہ ہوتی کہ اپنی نگاہ مبارک جھکا لیتے۔

۲۸. (فَكَانَ)يُكْرِمُ كَرِيمَ كُلِّ قَوْمٍ، وَيُوَلِّيهِ عَلَيْهِمْ.

جب بھی کسی قوم کا کوئی معزز شخص آتا تو آقا ﷺ اُس کی تکریم اُس کے رتبہ کے مطابق کرتے اور اگر وہ مسلمانوں میں شامل ہو جاتا تو اپنی قوم میں بھی اُسے اُسی طرح سردار بناتے جیسے وہ اپنی قوم میں تھا۔

۲۹. وَ(كَانَ) يُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَيُقَوِّيهِ، وَيُقَبِّحُ الْقَبِيحَ وَيُوَهِّنُهُ.

حضور ﷺ اچھی بات کی تحسین فرماتے تھے اور بُری بات کی بُرائی سے خبردار کرتے تھے۔

۳۰. (كَانَ)لِكُلِّ حَالٍ عِنْدَهُ عَتَادٌ.

حضور ﷺ کی بارگاہ میں ہر کیفیت کا جواب اور ہر مشکل کا انتظام پہلے سے موجود ہوتا۔

یعنی جب بھی کوئی پریشان حال ہوتا اور بارگاہِ نبوت میں اپنی مشکل اور پریشانی پیش کرتا تو حضور ﷺ اِس کا حل عطا فرماتے۔ کائنات میں کوئی ایسی شے ہی نہ تھی جس کا حل حضور ﷺ کی بارگاہ میں نہ ہوتا۔

۳۱. مَجْلِسُهُ مَجْلِسُ حِلْمٍ وَحَيَاءٍ وَصَبْرٍ وَأَمَانَةٍ.

حضور ﷺ کی مجلس حلم، بردباری، حیا، صبر اور امانت داری کی مجلس ہوا کرتی تھی۔

۳۲. كَانَ أَعَفَّ النَّاسِ، كَانَ أَكْرَمَ النَّاسِ، كَانَ أَصْبَرَ النَّاسِ، كَانَ أَحْلَمَ النَّاسِ، كَانَ أَحْسَنَ النَّاسِ، كَانَ أَجْوَدَ و كَانَ أَشْجَعَ النَّاسِ.

حضور ﷺ سب سے زیادہ عفت والے، سب سے زیادہ عزت وتکریم کرنے والے، سب سے زیادہ صبر کرنے والے، سب سے زیادہ حلیم الطبع، سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ سخاوت، شجاعت اور بہادری کا پیکر تھے۔

(البخاری فی الصحیح، کتاب الاب، باب حسن الخلق والسخاء وما یکرہ من البخل، ۵:۲۲۴۴، الرقم: ۵۶۸۶)

۳۳. كَانَ يُوْصِي بِأَهْلِ الْعِلْمِ

حضور ﷺ اہلِ علم کی تکریم کے بارے میں ہمیشہ تلقین فرمایا کرتے تھے۔ (الترمذی فی السنن، کتاب العلم، باب ماجاء فی الاستیصاء بمن یطلب العلم، ۵: ۵۰، الرقم ۲۶۵۰)

۳۴. وَكَانَ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ خَوْفًا عَلَى أُمَّتِهِ.

حضور ﷺ اپنی اُمت کے حوالے سے سب سے زیادہ خائف رہنے والے تھے۔ (مسلم فی الصحیح، کتاب الإیمان، باب دعاء النبی ﷺ لأمتہ وبکاءہ شفقۃ علیہم، ۱: ۱۹۱، الرقم ۲۰۲)

۳۵. كَانَ يُحِبُّ التَّوَاضُعَ وَكَانَ يَذُمُّ الْفَخْرَ وَالْعُجْبَ،

وَكَانَ يُحَذِّرُ مِنْ عَاقِبَةِ الْبَغْيِ.

حضور ﷺ سب سے زیادہ عاجزی اور انکساری کو پسند فرمانے والے حضور ﷺ فخر اور تفاخر کی سب سے زیادہ مذمت کرنے والے اور عجب، کبریائی اور تکبر سے بچنے والے تھے۔ حضور ﷺ زیادتی کرنیوالے شخص کو سب سے زیادہ عاقبت سے بچانے والے تھے۔ (مسلم فی الصحیح، ۴: ۲۱۹۸، الرقم ۲۸۶۵)

۳۶۔ كَانَ يَعُوْدُ الْمَرْضَى.

حضور ﷺ مریضوں کی عیادت فرمایا کرتے تھے۔

(الترمذی فی السنن، کتاب الطب، ۴: ۴۱۲، الرقم: ۲۰۸۸)

۳۷. كَانَ يَذْهَبُ إِلَى الْمَرِيْضِ مَاشِيًا.

اگر کوئی مریض ہو جاتا تو پیدل چل کر اُس کی تیمارداری کو تشریف لے جاتے۔ (ابن ماجہ فی السنن، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عیادۃ المریض، ۱: ۴۶۲، الرقم ۱۴۳۶)

۳۸. وإذا كره شيئا عرف في وجهه

حضور ﷺ جس شے سے کراہت فرماتے تو اس کا اقرار زبان اقدس سے نہ فرماتے بلکہ ہم اُسی وقت چہرہ اقدس سے سمجھ لیتے کہ حضور ﷺ کو پسند نہیں آیا۔

۳۹. كَانَ يُجِيْبُ دَعْوَةَ الْعَبْدِ.

اگر کوئی غلام حضور ﷺ کو دعوت دیتا تو اس کی دعوت کو قبول فرماتے۔ (الترمذی فی السنن، کتاب الجنائز، باب آخر، ۳: ۳۳۷، الرقم ۱۰۱۷)

ہمارا حال یہ ہے کہ ہم تو امیروں کی دعوتیں ڈھونڈتے ہیں، جہاں اچھے کھانے لگے ہوں اور مرغن خوراکیں ہوں۔ کسی غریب کی طرف سے دعوت آ جائے تو ہم کہتے ہیں کہ ٹائم نہیں۔ کسی امیر کی طرف سے دعوت آ جائے تو ہر طرح کی مصروفیت کینسل کر کے چلے جاتے ہیں جبکہ حضور ﷺ کے اخلاق یہ ہیں کہ غریبوں کی دعوت پر پہلے جایا کرتے تھے۔

۴۰. كَانَ يَعْطِفُ عَلَى الْأَمَةِ وَيَمْشِي مَعَهَا.

اگر کوئی غلام، لونڈی اور بوڑھی خاتون آ جاتی تو اُس کی حاجت روائی کے لیے خود اس کے ساتھ پیدل چل پڑتے۔ (البخاری فی الصحیح، کتاب الأدب، باب الکبر، ۵: ۲۲۵۵، الرقم ۵۷۲۴)

☆ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آقا ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، ایک خاتون آئی:

كان في عقلها شيء. (مسلم، الصحیح، ۴: ۱۸۱۲، رقم ۲۳۲۶)

اس بوڑھی خاتون کی عقل میں کوئی خرابی تھی یا وہ مریضہ تھی۔

اس نے حضور ﷺ کا دامن پکڑ کر عرض کیا: مجھے آپ سے کوئی بات کرنی ہے۔ فرمایا: بتاؤ! کیا کہنا ہے؟ کہنے لگی: یہاں نہیں، مسجد سے باہر جا کر بات کرنی ہے۔ اس نے اس تیزی سے حضور ﷺ کو پکڑا کہ آقا ﷺ کو نعلین مبارک پہننے کا وقت بھی نہیں ملا اور آپ ننگے پاؤں اُس کے ساتھ چل پڑے۔ آپ ﷺ چلتے گئے اور وہ بوڑھی اور مجنوں مائی پورے شہر مدینہ کی گلیوں میں حضور ﷺ کو چلاتی گئی۔ اخلاقِ مصطفی ﷺ پر قربان جائیں کہ حضور بغیر شکوہ کے چلتے جا رہے ہیں۔ ایک جگہ پر جا کر وہ رک گئی اور اپنی حاجت بیان کی کہ حضور ﷺ! بس یہ چاہیے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اے بوڑھی مائی! یہ تو مجھ سے وہاں مانگ لیتی تو میں وہاں دے دیتا، یہاں مجھے لا کر بتانے کی کیا ضرورت تھی بلکہ آپ ﷺ اس کی بات سن کر مسکرا پڑے اور اسے جو چاہئے تھا، وہ اسے دے دیا اور فرمایا کہ اب خوش ہو جا۔ گویا کسی کی حاجت روائی میں اپنا وقت صرف کر کے اس کے چہرے پر مسکراہٹ لانا بھی اخلاقِ مصطفی ﷺ ہے۔

۴۱. كَانَ يُعَاوِنُ أَهْلَهُ فِي الْبَيْتِ.

اپنے اہل خانہ کی اپنے دستِ اقدس سے معاونت فرماتے تھے۔

(صحیح بخاری، کتاب الأدب، ۵: ۲۲۹۱، الرقم ۵۸۵۰)

یعنی گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ یہ بھی اخلاقِ مصطفی ﷺ ہے۔ مگر ہم اسے عار سمجھتے ہیں۔

۴۲. كَانَ أَرْحَمَ النَّاسِ بِالصِّغَارِ وَكَانَ يَمْسَحُ بِيَدِهِ الشَّرِيْفَةِ عَلَى خَدِّ الصَّبِيِّ.

حضور ﷺ چھوٹے بچوں پر زیادہ کرم اور شفقت فرمانے والے اور جو بھی بچہ آتا تو حضور ﷺ اُس کے گال پر دست شفقت رکھ کر کرم فرماتے تھے۔ (البخاری فی الصحیح، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ إنا بک لمحزونون، ۱: ۴۳۹، الرقم ۱۲۴۱)

☆ روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی اپنی گال پر کسی کا ہاتھ نہیں رکھنے دیتے تھے۔ پوچھا گیا: تمہیں کیا ہوا؟ کہنے لگے: جب

سے حضور ﷺ نے اپنا دستِ اقدس میری اِس گال پر رکھا ہے، دل نہیں چاہتا کہ اُس دستِ اقدس پر کسی اور کا ہاتھ آجائے۔

☆ اسی طرح ایک صحابی کے بالوں کا حصہ بہت زیادہ بڑھا ہوا تھا، حتی کہ جب وہ رکوع میں جاتے تو اُن کے بالوں کی یہ لٹ زمین کو چھوتی تھی۔ کسی نے پوچھا کہ بال کیوں نہیں کٹواتے؟ کہنے لگے: جب سے حضور ﷺ نے اپنا دستِ اقدس میرے اِن بالوں پر رکھا ہے، میں نے اُس حصے کو کٹوانا ہی چھوڑ دیا ہے۔

وہ صحابہ جو چھوٹے بچے ہیں، حضور ﷺ سے ان کی محبت و شفقتِ مصطفیٰ ﷺ کا عالم یہ ہے کہ وہ بچے بھی بال نہیں کٹواتے تھے اور نہ وہ کسی کا ہاتھ اپنی گالوں پر لگنے دیتے تھے، اس لیے کہ ان کے گال اور بالوں کو حضور ﷺ نے مَس فرمایا ہے۔

☆ ایک مجلس میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں بڑے صحابہ بھی موجود تھے اور دوسری طرف چھوٹے بچے بھی تھے۔ آقا ﷺ نے مشروب نوش فرمایا اور پھر دوسروں کو دینا چاہا تو سنت طریقہ یہ ہے کہ دائیں طرف سے شروع کریں اور دوسرا یہ ہے کہ بزرگ بھی موجود ہیں تو پہلے ان کو دیں مگر اس وقت حضور ﷺ کے دائیں طرف ایک چھوٹی عمر کے صحابی موجود ہیں۔ اب حضور ﷺ کا اخلاق دیکھیں کہ دائیں طرف سے شروع کرنا ہے اور بڑوں کو بھی پہلے دینا ہے تو حضور ﷺ نے دائیں جانب بیٹھے ہوئے چھوٹے بچے سے فرمایا: کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں بڑے صحابہ کو پہلے دے دوں؟ اس نے کہا: نہیں۔ حضور میں اجازت نہیں دیتا۔ آپ ﷺ نے شفقت سے فرمایا: کیوں اجازت نہیں دیتے؟ عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! پیالے کے جس حصے پر آپ ﷺ کے لب لگے ہوں، یہ مجھے کیسے قبول ہوگا کہ اس جگہ پر اپنے لب لگانے کی سعادت سے محروم ہوجاؤں۔ حضور ﷺ پہلے میرے لب لگیں گے۔ حضور ﷺ مسکرا دیئے اور پیالہ اُس چھوٹے بچے کو عنایت فرمادیا۔

یہ اخلاقِ مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ''اوئے کاکا اُٹھ جا''، یہ کہہ کہ بچے کو بھگا دیتے ہیں مگر حضور ﷺ کی بارگاہ میں بچے بڑی عزت پاتے تھے، انہیں عزت و تکریم دے کر حضور ﷺ نے بتایا ہے کہ بچوں کا مقام کیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے ان اخلاقِ عالیہ کے اندر ہمارے لیے پیغام یہ ہے کہ ہم بھی اخلاقِ مصطفیٰ ﷺ، سیرتِ مصطفیٰ ﷺ اور اُسوہ مصطفیٰ ﷺ کا زیور پہن لیں۔۔۔ ان اوصاف حمیدہ کا رنگ اپنے اوپر چڑھا لیں۔۔۔ اخلاق کے یہ جھومر اپنے ماتھے کی زینت بنا لیں۔۔۔ اس لیے کہ اصلِ ایمان یہی ہے۔ منہاج القرآن اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تعلیمات کا نچوڑ بھی یہی ہے۔ اگر ہمیں وہ کچھ نہ مل سکا جو حضور ﷺ کی بارگاہ سے ملتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ پھر ہم حضوری والے نہیں۔ اگر زندگیوں میں حضور ﷺ کی سیرت کا عکس نہ مل سکا تو سمجھ لوکہ کچھ بھی نہیں ملا۔ اگر کچھ نہ کچھ مل گیا ہلکا سا پرتو بھی مل گیا تو پھر نہ صرف حضوری والے ہوجائیں گے بلکہ حضور والے بن جائیں گے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی زندگیوں کو اخلاقِ مصطفیٰ ﷺ کا نمونہ بنائیں۔ شیخ الاسلام اور منہاج القرآن کا بھی یہی پیغام ہے۔ شیخ الاسلام نے اس پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کے لیے پوری زندگی وقف کر دی کہ نوجوانو حضور ﷺ کے اخلاق و کردار کو اپنی زندگیوں کا اوڑھنا بچھونا بنا لو۔

یاد رکھیں! عشق اور محبت کی زندگی وہ ہوتی ہے جس میں محبوب کی کوئی جھلک نظر آئے۔ محبِ صادق وہ ہوتا ہے کہ جس کے اخلاق و کردار میں محبوب کی اداؤں کی کوئی جھلک نظر آئے۔ عاشقِ خالص وہ ہوتا ہے کہ جس کے الفاظ اور زندگی کے ہر ہر ورق پر اپنے محبوب ﷺ کے اُسوہ حسنہ اور قدوۃ حسنہ کی کوئی جھلک ضرور نظر آئے۔۔۔ عاملِ سنت رسول اللہ ﷺ وہ ہوتا ہے کہ جس کے عمل، کردار اور اخلاق میں اخلاقِ مصطفیٰ ﷺ کی کوئی جھلک ضرور نظر آئے۔۔۔ حضور ﷺ کا حقیقی امتی وہ ہوتا ہے جس کے وجود سے آقا ﷺ کی سیرت کی مہک اور خوشبو ملے۔ اگر کسی دعوے دار کی زندگی میں حضور کے اخلاق، احوال، اعمال کی جھلک میں سے کسی ایک جھلک کی خوشبو بھی نہ نظر آئے تو سمجھ لیں کہ وہ عاشق اپنے عشق میں سچا نہیں اور وہ دعوے دار اپنے دعوے میں سچا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کے نور سے اپنے سیرت و کردار کو منور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین ﷺ

❁❁❁❁❁

بین المذاہب ہم آہنگی: سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

اللہ نے انسان اور انسانی تہذیب کی بنیاد عالمگیریت پر رکھی

تنگ نظری ہر دور میں معاشرتی فتنہ و فساد کا سبب بنتی رہی ہے

پروفیسر محمد الیاس اعظمی ☆

اللہ تعالیٰ نے انسان اور انسانی تہذیب کی بنیاد عالمگیریت پر رکھی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر انسانیت کے رہبر اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک تمام حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اپنے دور میں اپنی امتوں کو اتحاد و اتفاق اور باہمی اخوت و محبت کا درس دیتے رہے ہیں۔ بطورِ خاص اس حوالے سے جب نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ایسے معاشرے میں اصلاحِ احوال کا علم بلند کیا کہ جس میں اگرچہ بہت سی خوبیاں بھی تھیں مگر معاشرتی اعتبار سے اس میں کچھ خرابیاں بھی متحرک تھیں جن میں مذہبی انتہا پسندی، ظلم و تشدد، مذہبی منافرت اور تنگ نظری بھی عروج پر تھی۔ جو لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوتِ توحید کو قبول کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے تو داعیانِ کفر و شرک کی طرف سے ان موحدین کے لیے زندگی اجیرن بنا دی جاتی۔ انہیں نہ صرف اپنے وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا جاتا بلکہ ظلم و تشدد کا نشانہ بناتے اور انہیں حقِ زندگی ہی سے محروم کر دیتے تھے، یا پھر مذہبی تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسی اذیت ناک سزائیں دیتے کہ ہاتھ پاؤں میں میخیں تک ٹھونک دیتے تھے، اس ضمن میں قرآن مجید میں ہمیں نمرود، فرعون اور دیگر منکرین و معاندینِ انبیاء کے کئی واقعات ملتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی سیرتِ مبارکہ اور اپنے طرزِ عمل سے مذہبی ہم آہنگی کے ماحول کو فروغ دیا اور اس کی معاشرتی ضرورت و اہمیت پر بھی زور دیا جس کے نتیجے میں مذہبی منافرت اور تنگ نظری کا وجود پاش پاش ہو گیا۔

معاشرے میں موجود دیگر مذاہب اور تہذیبوں کے لوگوں کے ساتھ سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ایک مسلمان کو کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے؟ نیز غیر مسلموں کے ساتھ کیسے تعلقات رکھنے چاہئیں کہ جس سے معاشرے کے اندر کوئی مذہبی منافرت بھی نہ پھیلے اور معاشرہ انسانی اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی مضبوط بنیاد پر آگے بڑھتے ہوئے ترقی کی منازل طے کرتا رہے۔ آئندہ سطور میں انہی سوالات کا سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا۔

مذہبی دہشت گردی اور تنگ نظری ہر دور میں معاشرتی فتنہ و فساد کا سبب بنتی رہی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک میں بھی مصطفوی تحریک کے مخالفین کفار و مشرکینِ عرب کی مذہبی دہشت گردی اپنے عروج پر تھی جس کی چند مثالیں ذیل میں ملاحظہ ہوں:

۱۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن رباح کا شمار اُن سات ''السابقون الاولون'' میں ہوتا ہے جنھوں نے سب سے پہلے توحید کی دعوت پر لبیک کہا۔ چنانچہ قبولِ حق کے اس جرم کی پاداش میں اُن کے مالک امیہ بن خلف نے مذہبی تعصب اور تشدد کا مظاہرہ کرتے ہوئے جس طرح آپ پر مظالم کے پہاڑ توڑے وہ تاریخِ انسانی کا ایک بدترین باب ہے۔

۲۔ مکہ کے جاہل معاشرہ میں نہ صرف مردوں کو مذہبی تشدد کا نشانہ بنایا گیا بلکہ صنفِ نازک میں سے بھی جو خوش نصیب

☆ کالج آف شریعہ، منہاج یونیورسٹی لاہور

عورتیں حضور نبی اکرمﷺ کی دعوتِ توحید پر لبیک کہتے ہوئے دامنِ اسلام سے وابستہ ہوجاتیں تو ’’مردانِ جبل‘‘ اُن پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے میں کوئی کسر نہ چھوڑتے۔ حضرت سمیہ، حضرت عمار بن یاسر کی والدہ اور ابو حذیفہ بن مغیرہ مخزومی کی کنیز تھیں۔ جب مکہ میں آپﷺ نے توحید کی صدائے حق بلند کی تو حضرت سمیہؓ عالمِ پیری کی زندگی بسر کررہی تھیں۔ اعلانِ نبوت سن کر اور حضورﷺ سے متاثر ہوکر حضرت سمیہؓ، آپ کے خاوند حضرت یاسرؓ اور بیٹے حضرت عمارؓ تینوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اس طرح اسلام قبول کرنے والوں میں ساتواں نمبر حضرت سمیہؓ کا تھا جن کو ’’السابقون الاولون‘‘ کا شرف حاصل ہوا۔

قبول اسلام کے بعد چند ہی روز اطمینان سے گزرے تھے کہ قریشِ مکہ نے آپؓ کے گھرانہ کو ظلم وستم کا نشانہ بنانا شروع کردیا اور پھر روز بروز اس میں شدت بھی آتی رہی اور بالآخر آپ کو شہید کردیا گیا۔

۳۔ داستانِ عشق ومستی رقم کرنے والے اور کتابِ شجاعت و بسالت کا ایک نمایاں عنوان حضرت خبابؓ بن ارت ہیں۔ آپ کا شمار بھی ’’السابقون الاولون‘‘ میں ہوتا ہے اور آپ چھٹے خوش نصیب فرد ہیں جنہیں زبانِ رسالت پناہﷺ سے دعوتِ توحید سن کر اس پر لبیک کہنے کا شرف حاصل ہوا اس لیے آپ کا لقب ہی تاریخِ اسلام میں ’’سادس الاسلام‘‘ پڑ گیا۔

حضرت خبابؓ بن ارت غلام ہونے کی وجہ سے بے یارو مددگار تھے۔ آپؓ کا کوئی پُرسانِ حال نہ تھا۔ ہرطرف کفر کی یلغار اور شرک کی تاریکی کا راج تھا۔ ایسے جب آپؓ نے کلمہ پڑھ کر اسلام لانے کا اعلان کیا تو ہرطرف سے کفار کا غیظ و غضب اُن کے خلاف اُبل پڑا۔ آپؓ کو لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں لٹادیا جاتا کہ لوہے کی گرمی کی تپش سے اُن کا جسم تپنے لگے۔ کبھی ننگے بدن دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹادیا جاتا اور سینہ پر بھاری پتھر رکھ کر ایک آدمی مسلتا۔ حضرت خبابؓ یہ انسانیت سوز مظالم برداشت کرتے، انگاروں پر لوٹتے لوٹتے گوشت کباب کی طرح بھن جاتا۔ لیکن ان سب سختیوں کے باوجود آپؓ قریش کے مظالم سے مرعوب نہ ہوئے اور دینِ اسلام پر ثابت قدم رہے۔

یہ چند مثالیں ہیں جو مذہبی دہشت گردی کے تاریخی پسِ منظر کے طور پر تحریر کی گئیں۔ تاریخ میں اس قسم کے ہزاروں واقعات محفوظ ہیں۔

یہ تھی وہ تہذیب جس کی زلفِ پریشاں کی حنا بندی کرکے حضور ہادیٔ عالمﷺ نے اپنے حسنِ کردار اور سنہری تعلیمات کے سانچے میں ڈھال کر دنیائے انسانی کو ایک ایسی تہذیب سے نوازا جس کا ہر پہلو اپنی تابناکی میں مہرِ فلک کی کرنوں کو شرماتا ہے۔ وجودِ محمدیﷺ سے پھوٹنے والی اسلامی تہذیبِ نو نے جب ارتقاء کی منازل طے کیں تو دنیائے انسانی کو وہ تہذیبی نمونے دیئے کہ جن کی سیرت وکردار کا فیض پاکر بادیۂ ضلالت میں بھٹکنے والے افراد آفتابِ ہدایت بن کر فلکِ حیات پر چمکنے لگے۔

عہدِ رسالت میں مذہبی ہم آہنگی کے چند مظاہر

کفر و شرک کی دلدادہ تہذیب کے تاریک ماحول میں حضور اکرمﷺ نے جس حسنِ تدبیر اور بلند کردار سازی کے ساتھ انسانوں کے درمیان باہمی محبت وموانست، تحمل وبردباری اور برداشت و رواداری کی ایسی تخم ریزی کی کہ ہرطرف اخوت ومحبت، پیار والفت کی کشتِ خضریٰ لہلہانے لگی۔

آیئے! اس عہدِ ہمایوں پر اس حوالے سے نظر ڈالیں کہ اس دورِ زرّیں میں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ آپس میں مذہبی ہم آہنگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاشرے میں کس طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ غیر مسلموں کے جان و مال، عزت و آبرو کے حوالے سے نبی رحمتﷺ نے کیا عملی نمونہ پیش کیا اور یہ کہ اپنے غلاموں یعنی صحابہ کرامؓ کو کیا ہدایات عطا فرمائی تھیں کہ جو آئندہ نسلوں کے لیے بھی رہنمائے حیات قرار پائیں۔ غیر مسلموں سے معاشرتی تعلقات کے بارے میں نبوی نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ اہلِ نجران کے ساتھ معاہدہ

اسلام کی شوکت قائم ہوجانے کے بعد آپﷺ نے اہلِ نجران (عیسائیوں) کے ساتھ معاہدہ کیا، وہ اس قدر جامع ہے کہ اپنے مشتملات کے اعتبار سے وہ ایک اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے سیاسی، مذہبی، معاشرتی، معاشی اور قانونی حقوق

کی ایک ایسی دستاویز ہے کہ جس نے غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت فراہم کردی ہے۔ عہدِ نبویﷺ میں اسلامی ریاست اور اہلِ نجران کے درمیان طے پانے والے اس معاہدہ کو بہت سے محدثین اور مورخین نے اپنی اپنی کتب میں روایت کیا ہے۔

اس معاہدۂ نبوی میں نجران کے غیر مسلموں کو درج ذیل مذہبی آزادیاں دے کر ان کے حقوق کا تحفظ کرتے ہوئے مذہبی ہم آہنگی کا عملی ثبوت دیا گیا ہے:

۱۔ غیر مسلموں کو ان کے عقیدہ و مذہب سے نہ ہٹائے جانے کی ضمانت فراہم کردی گئی ہے۔ اس سے اُن کے عقیدہ و مذہب کو تحفظ فراہم کردیا گیا۔

۲۔ اُن کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی ضمانت دے دی گئی۔

۳۔ اُن کے مذہبی راہنماؤں کے تحفظ کی ذمہ داری اسلامی حکومت کا فریضہ قرار دے دی گئی۔

۴۔ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کو برابر کے مذہبی و قانونی حقوق حاصل ہوں گے۔

۵۔ غیر مسلموں کی عزت و آبرو، جان و مال کی حفاظت مسلم ریاست کی ذمہ داری ہے۔

۶۔ غیر مسلم اپنے مذہبی عہدیداروں کو خود منتخب کریں گے۔

۷۔ اُن کی عبادت گاہ کے تمام حقوق کی رعایت کی جائے گی۔

۸۔ کسی مذہبی منصب کے حامل کو اس کے منصب سے معزول نہیں کیا جائے گا۔ (دہشت گردی اور فتنہ خوارج، شیخ الاسلام، ص ۱۹۹)

۲۔ مسجدِ نبوی میں نصاریٰ کو عبادت کی اجازت

نجران کے عیسائیوں کا وفد جو ساٹھ سواروں پر مشتمل تھا اور اس میں ’’اسقف ابوالحارث‘‘ جو گرجا کا امام تھا، اس کے ساتھ ’’ایم‘‘ نامی علاقہ کا جج اور حاکم جس کا لقب ’’عبدالمسیح‘‘ تھا اور اسے ’’سید‘‘ کے لقب سے بھی پکارا جاتا تھا، کے علاوہ نصاریٰ کے چوبیس مشہور سردار بھی شامل تھے، یہ قافلہ عصر کے وقت بارگاہِ نبویﷺ میں حاضر ہوا۔ یہ وقت اُن کی عبادت کا تھا (ممکن ہے کہ وہ اتوار کا دن ہو جس میں مسیحی عبادت کرتے اور اسے مقدس مانتے ہیں)۔ انہوں نے عبادت کی اجازت طلب کی تو نبی اکرمﷺ نے انہیں اپنی مسجد میں عبادت کرلینے کی اجازت مرحمت فرمادی تو انہوں نے مسجد سے مشرق کی جانب رخ کرکے اپنے مذہب کے مطابق نماز ادا کی۔ بعض مسلمانوں نے ان عیسائیوں کو مسجدِ نبویﷺ میں عیسائیوں کے طریقے کے مطابق نماز پڑھتے دیکھ کر روکنا چاہا مگر نبی کریمﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کردیا۔

(رحمۃ اللعالمینﷺ، محمد سلیمان منصور پوری، ج:۱، ص:۱۸۲)

۳۔ خیبر کے یہودیوں کے ساتھ سلوک

یہودِ مدینہ جن میں خیبر کے یہودی بھی شامل تھے، اسلام دشمنی میں انہوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ ہجرت مدینہ کے بعد قریش مکہ سے مل کر انہوں نے نہ صرف اسلامی ریاست کے خلاف سازشوں کے جال بُنے بلکہ مسلمانوں میں سے جو کوئی کسی یہودی کے ہاتھ آجاتا اس پر مظالم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے۔ حضورﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخیاں کرکے قلبِ احمدﷺ اور مسلمانوں کو اذیت دینا اُن کا روز کا معمول تھا مگر اس کے باوجود جب خیبر کی فتح کے موقع پر کچھ مسلمانوں نے ان کے مویشی کھول لیے اور ہانک کر لے گئے تو اس پر آپﷺ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ سے روایت ہے:

غزونا مع رسول اللهﷺ غزوة خيبر فاسرع الناس فی حظائر يهود فامرنی ان انادی الصلوة... ثم قال ايها الناس انكم قد اسرعتهم فی حظائر يهود الا لا تحل اموال المعاهدين ابجقها. (احمد بن حنبل، المسند، ۸۹، رقم ۱۶۳۶۲)

’’ہم غزوۂ خیبر میں حضورﷺ کے ساتھ تھے۔ لوگ (مجاہدین) جلدی میں یہود کے بندھے ہوئے جانور بھی لے گئے۔ آپﷺ نے مجھے نماز کے لیے اذان دینے کا حکم فرمایا۔۔۔ نماز کے بعد آپﷺ نے فرمایا: اے لوگو! تم جلدی میں یہود کے بندھے ہوئے جانور بھی لے گئے ہو، خبردار! سوائے حق کے غیر مسلم شہریوں کے اموال سے لینا حلال نہیں ہے‘‘۔

اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ بھی بیان کیا گیا ہے:

الا وانی احرم عليكم اموال المعاهدين بغير حقها. (ایضاً)

''خبردار! میں تم پر غیر مسلم اقلیتوں کے اموال پر ناحق قبضہ کرنا حرام کرتا ہوں''۔

حضور اکرم ﷺ کا یہ طرزِ عمل صحابہ کرامؓ کے لیے اسوہ اور عملی نمونہ تھا، چنانچہ آپ ﷺ کے وصالِ مبارک کے بعد جب خلافتِ راشدہ کا دور آیا تو درسگاہِ رسالت ﷺ کے تربیت یافتہ خلفاء راشدینؓ نے بھی اپنے اپنے دور خلافت میں اسوہ رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے مذہبی ہم آہنگی کو برقرار رکھا اور غیر مسلم شہریوں کو وہ تمام حقوق دیئے جو کسی بھی اسلامی ریاست میں مسلمانوں کو حاصل تھے۔ ان کی عزت و آبرو، مال مویشی، عبادت گاہیں، تجارت اور کاروبار اسی طرح محفوظ تھے جس طرح مسلمانوں کے حقوق محفوظ تھے۔

اسی طرح آپ ﷺ کے تربیت یافتہ خلفائے راشدین کے دورِ خلافت میں بھی غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ قائم رہا جیسا کہ عہدِ صدیقی میں تو یہ معمول تھا کہ جب کسی لشکر کو روانہ کیا جاتا تو اسے جو خصوصی ہدایات دی جاتیں، اُن میں یہ امور و احکام شامل ہوتے تھے کہ:

''خبردار! زمین میں فساد نہ پھیلانا اور احکامات کی خلاف ورزی نہ کرنا۔۔۔ کھجور کے درخت نہ کاٹنا اور نہ انہیں جلانا، چوپایوں کو ہلاک نہ کرنا اور نہ پھل دار درختوں کو کاٹنا اور نہ کسی عبادت گاہ کو گرانا اور نہ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل کرنا۔ تمہیں بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جنہوں نے گرجا گھروں میں اپنے آپ کو محبوس کر رکھا ہے اور دنیا سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا''۔

(موطا امام مالک، ۲: ۴۴۸، رقم: ۹۶۶)

خلیفۂ ثانی سیدنا فاروقِ اعظم ؓ کو غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کی کس قدر فکر تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ؓ کو ایک اقلیتی فرقہ کے فرد ہی نے شہید کیا تھا، اس کے باوجود آپ ؓ نے جو وصیت کی اس میں یہ بھی تھا کہ:

''مَیں اپنے بعد والے خلیفہ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذمہ میں آنے والے غیر مسلم شہریوں کے بارے میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان سے کیے ہوئے عہد کو پورا کریں۔ ان کی حفاظت کے لیے بوقتِ ضرورت لڑا بھی جائے اور اُن پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے''۔

خلیفہ سوم سیدنا عثمان غنی ؓ نے غیر مسلموں سے متعلق جو سرکاری فرمان جاری کیا تھا، اس میں یہ الفاظ بھی تھے:

انی اوصیک بھم خیرا فانھم قوم لھم الذمۃ.

''مَیں تمہیں ان غیر مسلم شہریوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی نصیحت کرتا ہوں۔ یہ وہ قوم ہے جنہیں جان و مال، عزت و آبرو اور مذہبی تحفظ کی مکمل امان دی جاچکی ہے''۔

حضور سید عالم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کے مطالعہ سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ بعض مواقع پر آپ ﷺ نے رواداری و ہم آہنگی سے کام لیتے ہوئے کفار کے ساتھ نرم رویہ اختیار کیا اور بعد میں اس کے انتہائی موثر و مثبت نتائج سامنے آئے۔

۴۔ صلح حدیبیہ اور مذہبی ہم آہنگی

صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح کی شرائط طے ہورہی تھیں اور بعض مراحل پر ایسی صورتِ حال بھی در پیش آئی کہ دونوں طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ کفار کی طرف سے سخت لہجہ اختیار کرنے کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے دائمی اور حقیقی مفادات جن سے مستقبل میں اسلام کو بہت سے فوائد پہنچ سکتے تھے، کو مدِّنظر رکھتے ہوئے بعض مسنون اور مستحب امور کو ترک کردیا مثلاً جب شرائط طے ہوگئیں اور اب معاہدہ تحریر کرنے کا وقت آیا تو کفار نے تحریری وثیقہ کی ابتداء میں **بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم** لکھنے پر اعتراض کیا حالانکہ اُن کا یہ اعتراض بے جا اور ہٹ دھرمی کا عملی مظاہرہ تھا۔ صورت حال یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ معاہدہ ختم ہوجاتا مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے نرم روی اور ہم آہنگی سے کام لیتے ہوئے تسمیہ کی جگہ صرف ''**باسمک اللھم**'' لکھنے کا حکم دے کر حالات کو کشیدگی کی طرف لے جانے سے بچالیا۔ (سیرۃ الرسول ﷺ، محمد حسین، ہیکل، ص ۴۶۴)

مزید برآں اسی موقعہ پر معاہدہ پر جب معاہدے کے فریقین کے نام لکھنے کا موقع آیا تو حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے حضور سید عالم ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے کلمات یعنی ''محمد رسول اللہ'' لکھا تو اس پر کفار نے اپنے

معاندانہ رویہ کا اظہار کرتے ہوئے پھر اعتراض کیا۔ ان الفاظ کو بدلنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے مشکل تھا اور اُن پر شاق بھی گزر رہا تھا لیکن اس موقع پر بھی حضورﷺ نے دور رس نتائج کی خاطر ''محمد بن عبداللہ'' لکھ دیا اور کفار کے بے جا مطالبہ کو مان کر حالات کو مکدر ہونے سے بچالیا۔

(سیرت النبیﷺ، مولانا شبلی نعمانی، ج۱، ص۴۲۳)

یہ نبوی حکمت عملی اور اسوہ حسنہ تھا کہ آپﷺ کی مذہبی ہم آہنگی اور رواداری کے سبب صلح حدیبیہ جس کو قرآن میں ''فتح مبین'' قرار دیا گیا ہے، کے بعد آنے والے زمانے میں اسلام کی فتح کا دروازہ کھل گیا اور لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہوکر دامنِ مصطفویﷺ سے وابستہ ہونے لگے اور تھوڑے عرصہ میں آفتابِ اسلام کی پُر نور کرنیں اطرافِ عالم کو منور کرنے لگیں اور اس کا پیغام امن چار دانگِ عالم میں پھیل گیا۔

۵۔ عصرِ حاضر اور سیرتِ نبویﷺ سے استفادہ

آج کی عالمی صورتِ حال کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ انسانیت تشدد اور انتہا پسندی میں پھنسی ہوئی ہے۔ مذہبی، سیاسی اور فکری انتہا پسندی نے انسان کو اعتدال کی راہ سے ہٹادیا ہے۔ نبی کریمﷺ کی تعلیمات ایک عالمگیر تہذیب کے قیام وتشکیل کے لیے نہایت موثر اور مثبت کردار ادا کرسکتی ہیں۔ ذیل میں چند سفارشات پیش کی جاتی ہیں جن پر عمل کرکے امتِ مسلمہ پھر دنیائے انسانی کی امامت و قیادت کا فریضہ سرانجام دینے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرسکتی ہے:

۱۔ موجودہ دور میں امت مسلمہ بالخصوص اہل پاکستان کو درپیش مشکلات، مصائب اور مسائل سے نجات حاصل کرنے کے لیے سیرت نبویﷺ اور تعلیمات قرآن کی روشنی میں پوری قوم کو اجتماعی طور پر اپنے ہرقسم کے گناہوں، کوتاہیوں اور بداعمالیوں سے توبہ کرنی چاہیے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے اور اُن سے محبت رکھتا ہے۔

۲۔ نصاب تعلیم میں سیرت النبیﷺ کو اسلامیات لازمی یا اختیاری کے ضمن میں پڑھانے کی بجائے کم از کم بی۔ اے، بی۔ ایس۔سی، بی۔ایس کی سطح پر ایک لازمی مضمون کے طور پر شاملِ نصاب کرکے سبقاً سبقاً پڑھایا جائے تاکہ اسلامی فکر اور روحانی الطبع افراد معاشرہ تیار ہوسکیں اور وہ عملی زندگی میں اسوہ حسنہ پر گامزن ہوکر ایک صالح اور دینی و روحانی اقدار کے حامل معاشرہ کی تشکیل کرسکیں۔

۳۔ معاشرے کے اندر سنتِ نبویﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے طریقہ پر چلتے ہوئے اجتماعی عدل کے ماحول کوفروغ دیاجائے۔

۴۔ سیرتِ نبویہﷺ پر عمل کرتے ہوئے معاشرتی زندگی کو ایسے خطوط پر استوار کیا جائے جن سے افرادِ معاشرہ میں اخوت، محبت، باہمی ہمدردی، بھائی چارہ، ایثار، خدمت خلق، ہم آہنگی، رواداری، تحمل و برداشت اور مروت کے جذبات فروغ پاسکیں اور آپس میں وحدت و یگانگت کی فضا پیدا ہو۔

۵۔ سیرت النبیﷺ کے موضوع پر سیمینارز اور کانفرنسز کا اہتمام کیا جائے تاکہ عامۃ الناس اور بالخصوص نوجوان نسل میں سیرت النبیﷺ پر عمل کا شعور پیدا ہو اور وہ سیرت پر عمل کرنا اپنی دینی ذمہ داری سمجھیں۔

۶۔ حکومتی اور نجی سطح پر میڈیا پر سیرت طیبہ سے متعلق زیادہ سے زیادہ پروگرام نشر کیے جائیں تاکہ لوگوں کی صحیح پیمانے پر ذہن سازی کی جاسکے۔

۷۔ اسلام کے پیغامِ امن وسلامتی، اخوت ومحبت، ہم آہنگی و رواداری کو غیر مسلموں تک پہنچانے کے لیے مشنری جذبے سے ایسے ادارے قائم کیے جائیں جو ایسے تربیت یافتہ افراد تیار کریں جو علمی وعملی ہر دو اعتبار سے سیرت اور اسوہ نبویﷺ کے چلتے پھرتے نمونے ہوں تاکہ اپنے اور پرائے اُن کے حسنِ عمل سے متاثر ہوکر اسلام کی سنہری تعلیمات کی طرف کشاں کشاں کھچے چلے آئیں۔

۸۔ پاکستانی معاشرہ میں موجود دیگر مذاہب کے پیروکاروں سے انسانی بنیادوں پر بہتر اور اچھے تعلقات ہرسطح پر قائم کیے جائیں تاکہ معاشرے میں باہمی محبت اور ہم آہنگی کی فضا قائم ہو اور معاشرتی امن واستحکام کو عملی طور پر مستحکم بنایا جاسکے۔

ان تجاویز پرعمل کرکے ہم ایک مثالی اسلامی معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

اسلام کے تصورِ اعتدال پر مبنی فکر کا نام تحریک منہاج القرآن ہے

تحریک منہاج القرآن اسلام کی پُر امن تعلیمات کی پیامبر ہے اور عالم عرب و عجم میں اسلام کی حقیقی تعلیمات کا تعارف اور شناخت کروانے میں کلیدی کردار کی حامل ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی خصوصی گفتگو

17 اکتوبر 2020ء: تحریک منہاج القرآن 40 واں یوم تاسیس منا رہی ہے۔ تحریک کے فکری تشخص اور اس کی نظریاتی اساس کے باعث الحمدللہ تعالیٰ آج مغربی اور اسلامی دنیا میں تحریک منہاج القرآن اور اس کی کتب اسلام کی حقانیت اور حقیقی تعلیمات پر باقاعدہ عالمی حوالہ بن چکی ہیں۔ تحریک منہاج القرآن کی فکر اور آواز اللہ رب العزت نے جتنی تیزی کے ساتھ اسلامی اور مغربی دنیا میں پہنچائی ہے اور جو سفر 40 سال میں طے ہوا، اس کی مثال پیش کرنا نہایت مشکل ہے۔

اللہ رب العزت کی توفیق سے آج شرق سے غرب تک تحریک منہاج القرآن کی فکر کو اسلام کی ایک مثبت علامت اور اچھی شناخت کے طور پر مغربی دنیا میں دیکھا جارہا ہے۔ دنیا میں دہشتگردی اور انتہاء پسندی کو اسلام کے ساتھ منسوب کردیا گیا تھا، اس سوچ نے اسلام کا چہرہ مسخ اور گدلا کردیا۔ اس بگڑے ہوئے تناظر میں جب اسلام کی صحیح، پُرامن اور مثبت شناخت کی تلاش کریں تو عالمِ مغرب، مغربی میڈیا اور سوشل میڈیا پر منہاج القرآن کا نام سرفہرست نظر آتا ہے۔ ان حقائق کو کوئی بھی فرد انٹرنیٹ پر باقاعدہ چیک کرسکتا ہے۔

تحریک منہاج القرآن عالمی تجدید اسلام کے دور میں داخل ہوگئی ہے اور آج اسلام کی مثبت تعبیر اور اسلام کی پرامن جدید مثبت شناخت کا نام تحریک منہاج القرآن ہے۔ اس سے مراد کسی اور کی نفی کرنا یا کسی پر Comment کرنا نہیں بلکہ یہ سب تحدیثِ نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رحمت تحریک منہاج القرآن پر فرمائی ہے اس پر اس کی بارگاہ میں شکر ادا کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی خاص توفیق سے ہم عالمی سطح پر محض 40 سالوں میں اتنا سفر طے کرچکے ہیں، جو سفر لوگ سو سالوں میں بھی طے نہیں کرسکے۔

مغربی دنیا میں دیگر جماعتوں اور شخصیات کے تذکرے اسلام کی انتہا پسندی اور تنگ نظری کی تعبیر کے حوالے سے تھے جبکہ آج کے اس جدید دور کے مطابق اسلام کی جدید ماڈرن تعبیر، متوازن، مثبت، پرامن، جمہوری تعبیر اور شرق و غرب کو ملانے والی تعبیر جس سے مغربی دنیا خوف زدہ نہیں ہوتی بلکہ اسلام کو پڑھنے میں دلچسپی لیتی ہے، جب اس حوالے سے اسلام کی تعبیر کی بات آتی ہے، تو ان تمام جگہوں پر تحریک منہاج القرآن کا نام سرفہرست نظر آتا ہے۔ ان شاء اللہ آنے والے سالوں میں یہ حوالہ مزید معتبر، مضبوط اور ثقہ ہوتا جائے گا اور اگلی کئی صدیوں تک افقِ عالم پر چمکتا رہے گا۔

تحریک منہاج القرآن کو آپ صرف پاکستان کی حدود کے تناظر میں نہ دیکھیں بلکہ اس کو عالمی سطح پر دیکھیں کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے تحریک منہاج القرآن کو کس مقام پر پہنچایا ہے۔ آج تحریک منہاج القرآن کے ذریعے اسلام کی تبلیغ پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش تک محدود نہیں بلکہ شرق تا غرب تجدیدِ اسلام، تجدیدِ شناختِ اسلام، تجدیدِ تشخصِ اسلام یعنی اسلام کے پورے تشخص و تصور کی تجدید، تحریک منہاج القرآن کے ذریعے عالمی سطح پر ہورہی ہے۔

تحریک کی انفرادیت

ایک غیر جانبدار شخص سوال کرسکتا ہے کہ آپ نے سب کچھ ہی تحریک منہاج القرآن کو قرار دے دیا، جبکہ عالمی سطح پر اسلام کی تبلیغ تو شرق تا غرب اور جماعتیں بھی کررہی ہیں، منہاج القرآن نے کون سا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم کسی پر تنقید نہیں کررہے، ہر ایک کا کام اللہ تعالیٰ کے ہاں اخلاص کے ساتھ قبول ہوتا ہے۔ ہر ایک کی اسلام کے لیے خدمات اور کاوشیں ہیں۔ لیکن میں نے تحریک منہاج القرآن کے حوالے سے جو خصوصی بات کی، اس پیمانے اور معیار کو سامنے رکھ کر مشرق و مغرب کی کسی ایک جماعت کا World Wide اس طرح کا حوالہ نہیں ہے کہ اُس جماعت کا نام اسلام کی پرامن، Progressive اور ماڈریٹ شناخت کے طور پر لیا جاتا ہو۔

بلاشبہ عالمی سطح پر ہمیں دوسری جماعتوں کے نام بھی نظر آتے ہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ ان کے نام، ان کی کتب کے حوالے اور ان کا تذکرہ کس تناظر میں کیا جاتا ہے؟ یاد رکھیں! اس وقت انسانیت اور اسلام کو جس پرامن اور متوازن چہرے اور شناخت کی ضرورت ہے، اس شناخت کے حوالے سے دیگر جماعتوں کے تذکرے عالمی سطح پر نہیں ہیں۔

اگر سوال کیا جائے کہ ذکر تو آج بھی کتابوں میں ڈیڑھ دو سو سال پہلے کام شروع کرنے والوں کا زیادہ ہے تو آپ یہ دعویٰ کیسے کرسکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک ڈیڑھ دو سو سال پہلے کام شروع کرنے والوں کا ذکر کتابوں میں زیادہ ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کے پرامن، مثبت چہرہ کی شناخت، وقت کی ضرورت اور تقاضوں کے مطابق تبلیغ وتجدیدِ اسلام کے حوالے سے عالمِ مغرب میں کون مؤثر کردار ادا کررہا ہے۔ ہمارا BreakThrough عالمی سطح پر مغربی دنیا میں یا عالمی منظر نامہ میں گزشتہ کچھ سالوں میں شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے مثبت و پرامن شناخت کے طور پر ایسی پذیرائی ملی جو کسی دوسرے کو اس تناظر میں نصیب نہ ہوئی۔

تحریک کے بے مثال کارکنان کا کردار

عالمی سطح پر تحریک کی یہ پذیرائی پاکستان سمیت دنیا بھر میں کام کرنے والے کارکنان و رفقاء کی بدولت ہی ممکن ہوئی۔ عالمی سطح پر تحریک منہاج القرآن کو ملنے والی پذیرائی کے پیچھے ایک ایک کارکن و رفیق کی محنت کارفرما ہے۔ ہر کارکن کا پرامن کردار اس عالمی پذیرائی کی بنیاد ہے۔ اس لیے کہ عالمِ مغرب کسی بھی تحریک یا شخصیت کو محض ایک یا دو واقعات یا کتب دیکھ کر پذیرائی نہیں دیتا بلکہ وہ اس تحریک اور اس کی قیادت و کارکنان کے ایک ایک پروگرام اور ان کی کاوشوں کو عمیق نظروں سے دیکھتا ہے۔ وہ صرف دو تین Events کو دیکھ کر کسی کے بارے تصور قائم نہیں کرتے۔ دو تین Events تو ایسے ہی ہیں جیسے بلبلہ آیا اور ختم ہوگیا۔ عالم مغرب اور اُن کا میڈیا کسی تحریک یا جماعت کی پوری تاریخ دیکھتے ہیں کہ اس تحریک اور اس شخصیت کی تاریخ اور پس منظر کیا ہے؟

تحریک منہاج القرآن کی تاریخ میں یونین کونسلوں، قصبوں، دیہاتوں، تحصیلوں اور اضلاع میں گزشتہ 40 سالوں سے تحریک کے لیے اپنا خون، اپنی جان، مال، اپنی توانائیاں، اپنے شب و روز دینے والے کارکنان کی قربانیاں ہیں۔ ان کارکنان کے کردار وعمل کا ایک تسلسل ہے۔ جس نے تحریک کو اتنی ثقاہت دے دی ہے کہ اسے عالمی تاریخ کا ایک حصہ بنادیا ہے جسے دنیا کا کوئی میڈیا نظرانداز بھی نہیں کرسکتا۔

عالمِ مغرب نے تحریک منہاج القرآن کے 40 سال کے تسلسل کو دیکھا کہ اس تحریک کے سفر میں کسی بھی جگہ کجی اور ٹیڑھا پن نہیں ہے، یعنی ایک ہی فکر جو شروع سے چلی تھی، اس تحریک کے کارکن ہمیشہ اسی راستے پر گامزن چلے آرہے ہیں۔ یہ کبھی دہشتگردی میں ملوث نہیں ہوئے، یہ کبھی کسی قسم کی زیادتی اور کرپشن کی طرف نہیں گئے، اس کے کارکنان پر فتنہ وفساد اور انتہا پسندی کا الزام اور دھبہ آج تک نہیں لگا۔ انہوں نے فروغِ تعلیم کا کام بھی کیا اور فلاحِ عامہ کے امور بھی سرانجام دیئے۔

سمجھانا یہ مقصود ہے کہ عالمی سطح پر ملنے والی اس شناخت اور پہچان کو کارکنان و رفقاء کی 40 سال کی کاوشیں طاقت دیتی ہیں۔ اگر کارکنان دعوت وتربیت اور فلاحِ عامہ کے کاموں میں

مصروف ہیں اور تحریک کے تمام فورمز اپنی اپنی ذمہ داریاں ادا کررہے ہیں تو ہر ایک کی کاوش کہیں نہ کہیں ریکارڈ ہورہی ہے۔ عالمی سطح پر مانیٹرنگ کرنے کا طریقہ اور پیمانہ یہ ہے کہ اس امر کو دیکھا جاتا ہے کہ اس تحریک کے تمام کارکنان اپنی اپنی جگہ کاوشیں کرتے ہیں مگر سمت ایک ہی ہے، ان کے دعوے اور عمل میں کہیں فرق نہیں ہے، ان کی تحریک کی فکر سیکرٹریٹ ہو یا تحصیل لیول کے کارکنان، ہر جگہ ایک ہی ہے۔ جب اُن کی اس حوالے سے تسلی ہوئی ہے تو تب جا کر تحریک منہاج القرآن اُن کے نزدیک اسلام کے مثبت شناخت کا عنوان بن گئی ہے۔

اگر تحریک کی فکر اور اس کے کارکنان کے کردار وعمل میں تضاد ہوتا، تسلسل نہ ہوتا، کارکنان و رفقاء کی ہر فورم، نظامت اور شعبہ میں 40 سال کی کوشش و جدوجہد نہ ہوتی تو اس مقام تک پہنچنا ناممکن تھا۔ عالمی سطح پر تحریک کو ملنے والی پذیرائی کی بنیادی وجہ ہی یہ ہے کہ عالمِ مغرب کو ہمارے کردار وعمل اور فکر میں کہیں تضاد اور خلاء نظر نہیں آیا، تب جا کر انہوں نے تحریک کے جملہ علمی وفکری کام کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ اسلام کا اصل چہرہ قرار دیا اور اس کے لیے ان کے پاس کارکنان کے کردار وعمل کی صورت میں 40 سالوں پر مبنی گواہی موجود ہے۔

تحریک: اسلام کے معتدل چہرہ کی شناخت

تحریک منہاج القرآن ملکی و بین الاقوامی سطح پر آقا ﷺ کی غلامی و نوکری کررہی ہے۔ اسلام کی پرامن تعلیمات کی پیامبر اور عالمِ عرب وعجم میں اسلام کا تعارف اور شناخت کروارہی ہے۔ مغربی میڈیا نے برملا لکھا کہ گزشتہ 25 سالوں میں جب سے دہشتگردی کا ایک ماحول بنا ہے، ان سالوں میں اسلام کا چہرہ مسخ ہوگیا تھا مگر تحریک منہاج القرآن نے 25 سال سے چھائے ہوئے اندھیرے دور کرکے ہمیں اسلام کا حقیقی روشن چہرہ دکھادیا۔ انتہا پسندی، ماڈرن ازم اور مادیت پرستی ان تینوں انتہاؤں سے بچا کر دینِ اسلام کی اصل تعبیر دینے والی ایک واحد تحریک صرف تحریک منہاج القرآن ہے۔ الحمدللہ! اس تحریک کو اللہ نے وہ کامل اعتدال عطا کیا ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ.

’’ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو‘‘۔ (البقرہ،۲: ۱۴۳)

تحریک نے اس امت اور دین کو انتہاء پسندی لبرل ازم، الحاد، دہشت گردی اور مادیت سے بچایا، الغرض جملہ غلط اور گمراہ کن تصورات، تعبیرات اور Isms سے بچایا اور اسلام کو صحابہ، تابعین، ائمہ اور مجتہدین کے اسلام کے طور پر پیش کیا اور اعتدال کے ساتھ متعارف کروایا۔ اپنے آغاز کے اولین دن سے لے کر آج تک اسلام کے تصورِ اعتدال پر مبنی فکر کو لے کر آگے چلنے کا سہرا تحریک منہاج القرآن کے سر پر ہے۔

تحریک منہاج القرآن کے قیام کا مقصد

ہماری تحریک، ہمارا مشن اور ہماری جدوجہد احیائے اسلام، تجدید دین اور غلبہ حق سے عبارت ہے۔ اس تحریک کا عنوان ’’منہاج القرآن‘‘ ہے یعنی قرآن کا راستہ۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو مبعوث کرنے کا مقصد بھی یہی ہے جسے اللہ رب العزت نے یوں بیان فرمایا:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ. (التوبة، ۹: ۳۳)

وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (رسول ﷺ) کو ہر دین (والے) پر غالب کردے۔

غالب کرنے کے کئی معانی ہیں مگر ان تمام معانی میں بنیادی چیز ’’دین کو مغلوبیت کے حال سے نکالنا‘‘ ہے۔ یعنی دین کو طاقت و مضبوطی فراہم کرنا، اسے مستحکم کرنا اور زندگیوں اور معاشرے میں غالب کرنا ہے۔ اس مشن کو میں نے ابتدا میں ہی تحریک منہاج القرآن کا نام دیا۔ بعد ازاں اس کام کو ہمہ گیر اور جامع بنانے کے لیے ہم یکے بعد دیگرے مختلف جہات سے اضافہ کرتے چلے گئے۔

☆ منہاج القرآن نے قیام کے بعد جس میدان سے عملی زندگی کا آغاز کیا وہ ’’دعوت‘‘ ہے۔

☆ بعد ازاں تنظیمات قائم ہوئیں اور نظامتِ تربیت سمیت دیگر نظامتیں اور فورمز معرضِ وجود میں آتے چلے گئے۔

☆ تحریک کے ساتھ وابستگی کو ’’رفاقت‘‘ کا نام دیا گیا۔

☆ فروغِ تعلیم کے لیے جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن کے نام سے کام کا آغاز کیا۔ ایک اکیڈمی بنائی پھر انسٹی ٹیوشن بنا، پھر جامعہ بنی، پھر یونیورسٹی ہوئی۔

☆ بعد ازاں منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کے ذریعے سکولز اور تعلیمی ادارے بنتے چلے گئے۔ گویا دعوت، تربیت اور تنظیم کے کام کے ساتھ تعلیم کے کام کا آغاز کیا۔

☆ تعلیم کے کام کا آغاز کر لینے کے بعد پھر خدمتِ انسانیت ''ویلفیئر'' کے کام کا آغاز کیا۔

☆ تعلیم، صحت اور فلاح عامہ کا ملک بھر میں نیٹ ورک قائم کرنے کے بعد لوگوں کے اندر شعور کی بیداری اور نظام کو تبدیل کرنے کی جدوجہد کا آغاز کیا۔

تجدید دین کے سفر کی انتہاء نہیں ہے!

یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہے کہ غلبۂ دینِ حق، تجدید اسلام اور احیائے اسلام کے اس مصطفوی مشن کی تکمیل کو کبھی کسی متعین وقت کے ساتھ خاص نہ کریں۔ ایسا کبھی مت سوچیں کہ تحریک جن میادین میں کام کر رہی ہے، ان میں سے کسی ایک پر اگر ہم اپنی توجہ کاملاً مرکوز کر لیں گے، تو اگر ایک خاص عرصہ میں اس کا حتمی نتیجہ غلبۂ حق، تجدیدِ دین اور احیائے اسلام کی شکل میں ظاہر ہوگیا تو کام مکمل ہوگا ورنہ کام ادھورا رہ جائے گا۔

نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ کام جب اپنی سمت میں نتائج پیدا کرتا ہوا جا رہا ہو، اُس کی کئی جہات ہوں اور اُس میں نشیب و فراز (ups and downs) آ رہے ہوں تو اس امر کو دیکھا جاتا ہے کہ مجموعی طور پر یہ اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہے ہیں یا اُس ہدف و مقصد سے دور ہو رہے ہیں۔

میں یہ سمجھتا ہوں تجدیدِ دین اور احیائے اسلام کا یہ سفر ہمیشہ سوئے کمال جاری رہے گا۔ اس لیے کہ کمال (perfection) کی کوئی آخری حد (limit) نہیں ہوتی کہ اب اس کے بعد آگے perfection کی ضرورت نہیں ہے۔ نہیں بلکہ ہر قدم perfection کے بعد بھی perfection کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ تکمیل ایک ایسا process ہے کہ اس کی کوئی انتہا (end) نہیں ہے۔ تکمیل (perfection) کسی بھی چیز کا کمالِ حسن (extreme beauty) ہے اور تکمیل (perfection) اور حُسن (beauty) کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ آپ ایک خوبصورت ترین شے بنا لیں، تو یہ نہیں ہوسکتا کہ اس کے بعد اس مکان، لباس، باغ، سڑک، سٹریٹ یا دنیا کی کوئی بھی شے ہو، اس سے زیادہ خوبصورت نہیں بن سکتی۔ نہیں، یہ سمجھنا کہ اس سے زیادہ خوبصورت کوئی شے نہیں ہوسکتی۔

گویا ہم ہمیشہ تکمیل کے سفر میں رہتے ہیں اور تکمیل کے سفر میں بڑے مراحل اور منازل ہمیشہ ہوتی ہیں جنہیں انسان achieve کرتا چلا جاتا ہے۔ اگر وہ یہ سمجھ لے کہ تکمیل کا سفر تمام جہات سے (in all aspects) ختم ہوگیا ہے اور end ہوگئی ہے، اس سے آگے تکمیل کے لیے کوئی اور مرحلہ نہیں ہے تو پھر انسان کی محنت، کوشش (struggle) جامد (static) ہو جاتی ہے، اُس میں جمود آ جاتا ہے، تحرک (mobility) نہیں رہتا، action نہیں رہتا، movement اور evolution نہیں رہتی۔ لہٰذا یاد رکھیں کہ ارتقاء کی صورت میں تکمیل کا سفر ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

تکمیلِ تجدیدِ دین کا مفہوم

تجدیدِ دین اور احیائے اسلام کے لیے میں نے تحریک منہاج القرآن قائم کی تھی۔ اللہ رب العزت نے مجھے جس ذمہ داری اور نوکری کے لیے چنا اور احسان کیا، ایک لحاظ سے وہ تجدیدِ دین ہوچکی ہے اور دوسرے لحاظ (Sense) سے یہ سفر جاری ہے۔ دین اسلام نے چونکہ قیامت تک رہنا ہے، اس لیے یہ نہیں کہتے کہ اس کے بعد کسی کام کی ضرورت نہیں، یہ ایک ایسی تکمیل ہے جس کے مرحلے تسلسل سے جاری رہیں گے، میری زندگی میں بھی رہیں گے، میری زندگی کے بعد بھی رہیں گے اور پھر کئی مرحلے آگے بڑھتے رہیں گے۔

تجدید دین کی تکمیل کیسے ہوچکی ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ کو ذہن میں رکھیں اور یہ بات ذہن میں رہے کہ مجدد کاوش (struggle) کرتا ہے، فرائض ادا کرتا ہے تو اس کے کام اور خدمات کے اثرات (impact) موجودہ صدی کے اختتام اور اگلی صدی کے شروع میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اس موقع پر میں آپ کو سابقہ صدیوں کے مجددین اور تحریک منہاج القرآن کا ایک موازنہ دینا چاہتا ہوں۔ چودہ سو برس کی تاریخِ تجدیدِ دین اور تاریخِ دعوت و عزیمت پر مختلف کتب ائمہ نے اپنی اپنی معلومات، معرفت اور فہم کے مطابق اپنے اپنے زمانے میں تحریر کی ہیں کہ کس شخصیت نے تجدیدِ دین کے حوالے سے کیا کام کیا ہے۔ اس موضوع پر لکھی گئی تمام کتب کا بغیر تعصب اور بغیر عقیدت کے بالکل صاف ذہن کے ساتھ درج ذیل سوالات کی روشنی میں غیر جانبدارانہ مطالعہ کریں:

۱۔ اس دور کے کیا حالات تھے؟

۲۔ اُس دور کی کیا کیا ضرورت تھی؟

۳۔ دینِ اسلام کے فروغ کے حوالے سے کیا کیا کی تھی؟

۴۔ کس میدان میں تجدید کی ضرورت تھی؟

۵۔ دین کے کس کس گوشے میں مغلوبیت تھی؟

۶۔ کن تعلیمات اور اقدار پر کام ہونے بند ہو گئے تھے؟

۷۔ دین پر عمل کے لحاظ سے کیا ماحول تھا؟

۸۔ اس صدی کے مجدد نے کیا اور کس طریقے سے contribute کیا؟

۹۔ اُس مجدد کی مجددانہ خدمات کے کیا نتائج آئے اور کیا اثرات مرتب ہوئے؟

۱۰۔ اس کام نے سوسائٹی میں کیا تبدیلی پیدا کی؟

۱۱۔ اس مجدد نے دین کے اندر کس چیز کو غالب کیا جس کی وجہ سے امت نے بلا اختلاف اُن کے کام کو متفقہ طور پر اُس صدی کی تجدید کہا؟

چاہیں چودہ صدیوں کے کل مجددین کے کام کو پڑھ لیں، چاہیں تو کوئی دو چار مجدد جو امت مسلمہ کی تاریخ میں سب سے بڑے ہوئے اور جنہوں نے تجدید اور احیائے دین کا فریضہ ادا کیا، اُن کے کام کو چن لیں اور ان کی تمام contribution کا مطالعہ کریں اور پھر آج سے 40 سال قبل قائم ہونے والی تحریک منہاج القرآن کے کام اور خدمات کا بھی اسی تناظر میں مطالعہ کریں کہ 40 برس میں آج تک جو کچھ یہاں سے produce ہوا اور سوسائٹی اور امت کو ملا، اس نے تجدیدِ دین کے حوالے سے کیا کردار ادا کیا اور امت اور معاشرے پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟

کون تجدیدِ دین کررہا ہے اور احیائے اسلام کے مشن پر کاربند ہے؟ اسے جاننے کے لیے مذکورہ بات کو پیمانہ بنالیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ کوکسی سے عقیدت اور محبت ہے تو اُس کے کام کو تجدید کہہ لیں اور کسی سے اختلاف ہے تو اُس کے تجدیدی کام کا انکار کر دیں۔ یہ آپ کی اور ہماری مرضی سے طے نہیں ہوگا بلکہ پورے تیرہ چودہ سو سال کے تجدیدی کاموں کا جو معیار ہے اُسی کو پیمانہ مقرر کرلیں اور اس پیمانہ پر منہاج القرآن کے کام کو پرکھ لیں۔

کسی سے جھگڑا کرنے، اختلاف کرنے، کسی کے کام کے انکار کرنے اور بحث و تکرار کی ضرورت نہیں۔ بس وہ مجددین، جن کو امت اور دنیا مانتی ہے کہ انہوں نے دین کی تجدید اپنی صدی میں کی، ان کے کام کا احاطہ کریں اور پھر تحریک منہاج القرآن نے 40 سال میں جو خدمات سرانجام دیں، اس کے ساتھ موازنہ کرلیں، اس غیر جانبدارانہ و غیر متعصّبانہ تجزیہ سے یہ حقیقت آپ پر واضح ہوجائے گی کہ تحریک منہاج القرآن ہی اس صدی میں تجدیدِ دین کی تحریک ہے۔

اس تناظر میں کیے گئے موازنہ کے نتیجے میں اگر چودہ سو سال میں کسی ایک صدی کا کام بھی تحریک منہاج القرآن کے کام سے بڑھ جائے، تو بلا جھجک تحریک منہاج القرآن کی تجدیدی خدمات کا انکار کر دیں۔ تحریک منہاج القرآن کے کام میں موجود ہمہ گیریت و عالمگیریت ہی کی بناء پر میں ہمیشہ یہ کہتا ہوں کہ تحریک منہاج القرآن اس صدی کی تجدیدِ دین کی تحریک ہے۔

تحریک کی ہمہ جہتی خدمات کا اجمالی جائزہ

ذیل میں تحریک منہاج القرآن کی چند تجدیدی خدمات کا اجمالی خاکہ درج کیا جارہا ہے:

۱۔ علمی وفکری تجدیدی خدمات

تحریک منہاج القرآن 40 سال کے عرصے میں 600 سے زائد مطبوعہ کتب امت کو دے چکی ہے۔ اتنی تعداد میں کسی کی کتب کا اس کی زندگی میں شائع ہوجانا، تاریخ کا کوئی ایسا واقعہ میرے علم میں کبھی نہیں آیا۔ قرآن مجید کے فہم کے لیے عرفان القرآن امت اور انسانیت کو دیا ہے۔ جس کا دنیا کی کئی

بڑی بڑی زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے۔ صرف حدیث پر چھوٹی بڑی تمام کتابیں، اربعینات جیسے کتابچے (subject wise) ملا کر دو سو سے زائد کی تعداد میں اس تحریک نے امت کو دیئے ہیں۔ برصغیر میں کئی صدیوں سے حدیث پر کام اور لٹریچر کا پیدا ہونا بند ہو چکا تھا۔ چھ سات سو سال پہلے کے کیے ہوئے کاموں پر زیادہ تکیہ تھا۔ پچھلی ایک دو صدیوں میں کچھ کام ہوئے ہیں مگر وہ شروح اور حواشی تک محدود تھے۔ ہر موضوع کو حضور علیہ السلام کی حدیث کی شکل میں ایک compendium کے طور پر لوگوں کے ہاتھ تک پہنچایا اور علم الحدیث میں اتنا بڑا کام جو کئی صدیوں سے بند تھا، اسے الحمد للہ تحریک منہاج القرآن کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ نے امت کو عطا کیا۔ آج عالمِ مغرب اور عالمِ عرب بھی اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ علاوہ ازیں اسلام کی حقیقی تعلیمات پر مبنی ہر موضوع پر ثقہ اور مستند کتب بھی تحریک منہاج القرآن کا وہ تجدیدی کام ہے جس سے پوری دنیا میں اسلام کا معتدل و متوازن نظریہ (Moderate Vision) فروغ پا رہا ہے۔

۲۔ فروغِ عشقِ رسول ﷺ

ماضی میں حضور علیہ السلام کی ذاتِ اقدس کے ساتھ عشق و محبت اور آقا علیہ السلام کا ادب اور تعظیم کا تصور، دوسرے خیالات اور افکار و نظریات کے غلبے کے باعث ختم ہو گیا تھا یا دب گیا تھا یا نہایت کمزور ہو گیا تھا۔ یہ concept دلیل سے خالی اور صرف رسمی (traditional) رہ گیا تھا۔ عقیدۂ محبتِ رسول ﷺ، عقیدۂ ادبِ رسول ﷺ، عقیدۂ نسبتِ رسول ﷺ کے پیچھے دلیل ختم ہو گئی تھی اور لوگ اس محبت کے تصور کو traditionally اور emotionally رکھتے تھے اور صرف اَن پڑھوں، جاہلوں میں یہ چیز گھرتی جا رہی تھی۔ سوسائٹی، امت اور ہمارا یہ خطہ برصغیر پاک و ہند، مجموعی طور پر اس عقیدہ سے خالی ہو گیا تھا۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ محبتِ رسول رہی نہیں تھی، نہیں بلکہ عشقِ رسول اور محبتِ رسول رسماً (traditionally) برقرار تھی مگر بہت سارے گھروں اور حلقوں سے نکل گئی تھی۔ عشق و محبتِ رسول ﷺ سے خالی دین، مذہب اور عقیدہ غالب اور طاقتور ہو گیا تھا۔ پڑھا لکھا طبقہ دوسری سوچ کی طرف متوجہ (attract) ہو گیا اور جو لوگ عشق و محبتِ رسول ﷺ کی بات کرنے والے تھے وہ پسماندہ تصور ہونے لگے۔ اُن میں بات کرنے کی جرأت نہ رہی۔ عشقِ رسول ﷺ، محبت رسول ﷺ، ادب رسول ﷺ، عظمت رسول ﷺ کے عقیدے کے دلائل تھے مگر یہ سارا خطہ عقیدے کی دلیل سے خالی ہو گیا تھا۔

اس عرصے میں دروس قرآن سے میں نے ابتداء کی، حلقات کیے، اجتماعات کیے، خطابات کیے، کتب تصنیف ہونا شروع ہوئیں، لٹریچر آیا اور پھر اتنی کتبِ حدیث اور دلائل کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر آ گیا کہ اب اس کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔

یعنی ہم نے نہج، سوچ، فکر، کلچر تبدیل کر دیا اور محبت و عشقِ رسول اور میلاد النبی ﷺ کو اس سوسائٹی میں دوبارہ بطورِ کلچر بحال کر دیا۔ اس کو تجدیدِ دین کہتے ہیں کہ ہم نے سوچ کی طرز، فہم اور کلچر بدل دیا ہے اور جو عقیدہ مغلوب تھا اُس کو غالب کر دیا ہے۔ اب اس پر کوئی طعن نہیں کر سکتا، کوئی celebrate کرے یا نہ کرے مگر کسی کی مجال نہیں ہے کہ کسی سمت سے عشقِ رسول ﷺ کے خلاف آواز اٹھے۔

۳۔ دہشتگردی کے خلاف فتویٰ

اسی طرح جب دہشتگردی اور انتہا پسندی کی لہر نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تو اسے چیلنج کرنے کی پوری مسلم دنیا میں کسی نے جرأت ہی نہیں کی۔ بس ایسے ہی مذمت (condemn) کرتے تھے مگر دلیل کی قوت کے ساتھ کوئی اُس کے سامنے کھڑا نہیں ہوا اور متبادل بیانیہ (counter narrative) پیش نہیں کیا۔ دہشتگردی اور انتہا پسندی کے خلاف آج کے دن تک بھی پوری مسلم دنیا میں counter narrative صرف منہاج القرآن نے پیش کیا۔ آج امریکہ، انگلینڈ، یورپ اور عرب دنیا میں اسلام کے حوالے سے جو ابحاث ہوتی ہیں اور جو لوگ اسلام کی تعلیمات کا دفاع کرتے ہیں اور counter terrorism کا narrative پیش کرتے ہیں تو اُن کے پاس الحمدللہ سوائے ہمارے کسی اور کا حوالہ ہی نہیں ہوتا۔ وہ دہشت گردی کے خلاف دیئے جانے والے ہمارے مبسوط فتویٰ اور کتب کا حوالہ پیش کرتے ہیں اور یہ تمام چیزیں صرف مبالغہ اور خالی دعویٰ ہی نہیں بلکہ یہ حقائق Online موجود ہیں۔

امریکہ اور یورپ میں موجود وہ غیر جانبدار غیر مسلم سکالر جو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے آشنا ہیں، جب وہ مسلمانوں اور اسلام کی حمایت میں بات کرتے ہیں تو وہاں میرے فتویٰ اور کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ کئی ممالک میں ہمارا فتویٰ ان ممالک کی سرکاری compendium اور guideline بن گیا ہے۔ لہٰذا یہ تحریک منہاج القرآن کا تجدیدی کارنامہ ہے کہ اس نے دہشت گردی کے خلاف متبادل بیانیہ (counter narrative) پیش کیا ہے۔

۴۔ ہر طبقہ فکر میں پذیرائی

گزشتہ کچھ عرصہ سے اسلام کو practice کرنے والے لوگ بالکل انتہا پسند ہوگئے یا بالکل سیکولر ہو گئے۔ درمیان میں space ختم ہوگئی تھی یا بہت تھوڑی رہ گئی تھی جس میں لوگ معتدل (moderate) ہوں۔ یعنی اسلام کی اقدار کو رکھنے میں جھجک و شرم محسوس نہ کریں، ماڈرن بھی رہیں اور commitment بھی دین کے ساتھ رہے۔ نیز اُن کو کوئی moderate vision ملے جو سیکولر مزاج لوگوں کے لیے بھی قابل قبول ہو سکے۔ برصغیر پاک و ہند میں پچھلے ساٹھ ستر سال سے moderate vision رکھنے والا اور دین کی approach دینے والا کوئی نہیں رہ گیا تھا۔

ان حالات میں تحریک منہاج القرآن نے اسلام کا moderate vision اور version قوت اور طاقت کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آج الحمدللہ نہ صرف نوجوان نسل، پڑھا لکھا طبقہ بلکہ دنیا کی بڑی بڑی نامور شخصیات تحریک منہاج القرآن کی ممبر شپ لیتے ہوئے اعزاز محسوس کرتی ہیں۔ تحریک منہاج القرآن نے اسلام کا Moderate vision اس مضبوطی اور دلائل کی قوت کے ساتھ دنیا کے سامنے رکھا کہ نوجوان نسل کے اندر کا سویا ہوا اسلام پھر سے زندہ کر دیا ہے اور اُن کو پھر دینِ اسلام سے ایک رغبت و تعلق حاصل ہوگیا ہے۔ نوجوان نسل اور مؤثر لوگ دینی حلقے سے دور بھاگ گئے تھے، وہ کسی عالمِ دین یا دینی آدمی کا نام سننا گوارا نہیں کرتے تھے۔ تحریک نے احیاء اسلام کا یہ کام کیا کہ اُن کے اندر دین کی مری ہوئی وابستگی پھر سے زندہ کردی۔

کارکنان کے لیے پیغام!

تحریک منہاج القرآن کے 40 سال کی خدمات اور اس کے نتائج و اثرات کا گزشتہ صدیوں میں ہونے والے تجدیدی کام سے موازنہ (compare) کیا جائے تو الحمدللہ تحریک کی تجدیدی خدمات گزشتہ صدیوں میں ہونے والی تجدیدی خدمات سے کئی گنا زیادہ نظر آئیں گی۔ اللہ رب العزت نے تحریک کو اس صدی کی تجدیدی تحریک کے طور پر منتخب فرمایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام ہے۔ کارکنان و رفقاء اس انعامِ خداوندی پر جتنا بھی شکر بجا لائیں کم ہے، مگر ابھی ہم نے جامد (static) نہیں ہونا بلکہ بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ہم اپنی کاوشیں جاری رکھیں گے کہ آنے والی صدیوں میں بھی زمانے تحریک منہاج القرآن کی علمی وفکری خدمات سے نور لیتے رہیں اور تحریک کا فیض ہر خاص و عام تک پہنچے۔ لہٰذا اس تحریک کو آنے والی صدیوں تک پہنچانا، شمع سے شمع جلانا اور اگلے زمانوں کو روشن کرنا اور اگلی نسلوں کو منتقل کرنے کے اس مشن پر استقامت سے آگے بڑھتے رہیں۔ کارکنان و رفقاء تحریک! وہ لوگ جنہوں نے 1980ء میں میرے ساتھ مل کر اس تحریک کی بنیادیں رکھی تھیں اور آج کے کارکنان، تمام تنظیمات اور خواتین و حضرات رفقاء ان تمام کی کوششیں تحریک کی عالمی پذیرائی اور اسلام کے فروغ کی کاوشوں میں جمع ہیں اور تاریخ کا حصہ ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ابھی ہم نے اس جدوجہد کو اسی طرح جاری رکھنا ہے اور انسانی تاریخ میں افقِ عالم پر اسلام کا معتبر حوالہ بننا ہے۔ اگلی نسلوں تک اصلاح کی ذمہ داری کم از کم ایک سو سال تک تحریک منہاج القرآن کے سپرد ہے۔ اگلی صدی کو اب اسلام کی حقیقی تعلیمات اور اسلام کے پرامن چہرہ کی وراثت تحریک منہاج القرآن نے سپرد کرنی ہے۔ ان شاء اللہ اگر استقامت و اخلاص سے رہے اور امانت و دیانت، محبت و اخلاص اور ریاضت و مجاہدے کو جاری رکھا تو اللہ تعالیٰ آپ کو بہت بلندیاں عطا فرمائے گا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ سے ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو قبولیت کی مبارکبادیاں نصیب ہوں گی۔

تحریک منہاج القرآن

علم، امن، تحقیق، تجدید اور شعور و آگہی کے 40 سال

تحریک نے اپنے اولین مقاصد دعوت و تبلیغِ حق، اصلاحِ احوالِ امت اور تجدید و احیائے دین کے باب میں قابلِ فخر اقدار و روایات قائم کیں

40ویں یومِ تاسیس (17 اکتوبر) کی مناسبت سے خصوصی تحریر

اُمتِ مسلمہ کے دورِ عروج میں بحیثیتِ مجموعی ہر طرف غالب قوت اِسلام ہی کی تھی اور اگر کوئی بگاڑ ہوا تو وہ جزوی نوعیت کا تھا، چنانچہ علماء کرام، صوفیاء عظام اور مردانِ حق اُس کی اِصلاح کرتے رہے۔ موجودہ دورِ زوال میں بگاڑ کی نوعیت جزوی نہیں رہی بلکہ کلی ہوگئی ہے، لہٰذا اِس اَمر کی شدّت سے ضرورت محسوس ہوئی کہ ملّی سطح کے اِس بگاڑ کی اِصلاح کے لیے اَمر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ایک ہمہ گیر تحریک بپا کی جائے۔ ہر عہد کی تجدیدی و اِحیائی تحریکوں کی یہ دینی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ خیرِ اُمت کی نمائندگی کرتے ہوئے اِصلاحِ اَحوالِ اُمت کا فریضہ سرانجام دیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم ہم سے تقاضا کر رہا ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ. (آل عمران، ۳: ۱۱۰)

تم بہترین اُمّت ہو جو سب لوگوں (کی راہ نمائی) کے لیے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اِن دینی وعصری مقتضیات کے پیشِ نظر آج سے تقریباً 40 سال قبل تحریکِ منہاجُ القرآن کے نام سے تجدید و اِحیاءِ دین، اِصلاحِ اَحوالِ اُمت، ترویج و اشاعتِ اِسلام اور اِتحادِ اُمت کے لیے قرآن وسنت کے عظیم فکر پر مبنی مصطفوی اِنقلاب کے لیے پُراَمن جد و جہد کا آغاز کیا گیا۔

مقصدِ تحریک: مصطفوی اِنقلاب

تحریک منہاج القرآن علمی وفکری، اَخلاقی و روحانی، تعلیمی وشعوری اور سماجی و معاشرتی اِصلاح کے لیے کوشاں ہے۔ تحریک اپنے اِنقلابی سفر کے مراحلِ خمسہ میں سے دعوتی، تنظیمی اور تربیتی مراحل کے ساتھ مرحلہ تحریک بھی شروع کر چکی ہے اور اِس جد و جہد کے جملہ مراحل کا نام مصطفوی اِنقلاب ہے، جس کی کامیابی درج ذیل اُمور پر مشتمل ہے:

1۔ دعوت و تبلیغِ حق
2۔ اِصلاحِ اَحوالِ اُمت
3۔ تجدید و اِحیاءِ دین
4۔ ترویج و اِشاعتِ اِسلام
5۔ اُمت میں اِتحاد و یگانگت
6۔ بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری
7۔ اِنتہا پسندی کا اِنسداد اور اَمن و اِعتدال کا فروغ

دورِ حاضر کے ہمہ گیر بگاڑ کے ماحول میں مذکورہ ساتوں کام اور اُن کا باہمی ربط و اِتصال اَز حد ضروری ہے۔ اِس ہمہ جہت جدوجہد کے بغیر اِن میں سے کسی ایک کام کے نتائج و ثمرات بھی دیرپا نہیں ہوسکتے۔

اَہدافِ دعوت

تحریک منہاج القرآن دعوت و تبلیغِ حق اور اِصلاحِ

اَحوالِ اُمت کی تحریک ہے۔ تحریک کی دعوت درج ذیل سات اَہداف پر مشتمل ہے:

1۔ الدعوۃ اِلی اللہ	2۔ الدعوۃ اِلی الرسول ﷺ
3۔ الدعوۃ اِلی القرآن	4۔ الدعوۃ اِلی العلم والخُلق
5۔ الدعوۃ اِلی الاخوۃ والمودّۃ	6۔ الدعوۃ اِلی الجماعۃ
7۔ الدعوۃ اِلی الاقامۃ	

تحریکِ منہاجُ القرآن کی ہمہ گیر جد و جہد کا معروف عنوان مصطفوی اِنقلاب ہے جو ایک ہمہ جہت تبدیلی سے عبارت ہے اور بیک وقت دعوت، اِصلاح، تجدید، ترویج اور اِقامت کے سب مراحل کو محیط ہے۔ تحریک معروف معنوں میں ایک غیر سیاسی تنظیم ہے تاکہ سرکاری و غیر سرکاری اِداروں میں کام کرنے والے اَفراد بھی معاشرے کے دیگر اَفراد کی طرح بلاتأمل تحریک میں کسی بھی سطح پر شامل ہوکر خدمات سرانجام دے سکیں۔

کام کے تنوع اور دائرہ کار کی وسعت کے باعث مرکزی سطح پر تحریک کو درج ذیل مختلف نظامتوں/فورمز میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ نظامتِ دعوت	۲۔ نظامتِ تربیت
۳۔ نظامتِ تنظیمات	۴۔ نظامتِ تعلیمات
۵۔ نظامتِ طباعت و ابلاغیات	۶۔ نظامتِ تحقیق و تدوین
۷۔ نظامتِ اُمورِ خارجہ	۸۔ نظامتِ سیکرٹریٹ
۹۔ نظامتِ نشر و اِشاعت	۱۰۔ نظامتِ تعمیرات
۱۱۔ نظامتِ مالیات	۱۲۔ نظامتِ اجتماعات ومہمات
۱۳۔ نظامتِ بین المذاہب رواداری	۱۴۔ نظامتِ تمویلات
۱۵۔ نظامتِ ممبر شپ	۱۶۔ نظامتِ اَملاک
۱۷۔ منہاج القرآن علماء کونسل	۱۸۔ منہاج القرآن ویمن لیگ
۱۹۔ مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ	۲۰۔ منہاج القرآن یوتھ لیگ
۲۱۔ پاکستان عوامی تحریک	

تحریکِ منہاجُ القرآن کی مذکورہ بالا تمام نظامتیں/فورمز اپنا الگ اِنتظامی و تنظیمی ڈھانچہ رکھتے ہیں۔ یہ تمام نظامتیں اور فورمز تحریکِ منہاجُ القرآن کے دستور یا تحریک کے منظور کردہ اپنے اپنے جداگانہ نظام العمل (by-laws) کے تحت کام کرتے ہیں۔ لیکن جملہ نظامتیں اور فورمز فکری، نظریاتی، تنظیمی اور اِنتظامی اِعتبار سے تحریک منہاج القرآن کے تابع ہیں۔ مصطفوی اِنقلاب کی جد و جہد میں شامل تمام نظامتوں، فورمز اور جملہ رُفقاء و وابستگان میں نہ صرف فکری، ذہنی اور نظریاتی حوالوں سے بلکہ پالیسی اور منصوبہ سازی کے حوالے سے بھی کامل ہم آہنگی (coordination) اور یک جہتی قائم ہے اور ان کی سرگرمیاں باہم مربوط ہوتی ہیں۔ تحریک منہاج القرآن کی تمام نظامتیں اور فورمز ہر مرحلہ پر تحریک کے فکری تشخص کو ہی پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنی سرگرمیاں جاری رکھتے ہیں۔

تحریک کا نصب العین اور اَغراض و مقاصد

تحریک منہاج القرآن کا نصب العین کیا ہے اور وہ کون سے اغراض و مقاصد ہیں جن کا حصول اس تحریک کے پیشِ نظر رہتا ہے؟ ذیل میں اس امر پر روشنی ڈالی جارہی ہے:

نصب العین

تحریک کا اَوّلین مقصد دعوت و تبلیغِ حق، اِصلاحِ اَحوال اُمت، تجدید و احیاءِ دین، ترویج و اِقامتِ اِسلام، اِتحادِ اُمت اور اِنسانی معاشرے میں اَمن و اِعتدال کے فروغ کے لیے قرآن وسنت کے عظیم فکر پر مبنی عالم گیر جد و جہد ہے۔

اَغراض و مقاصد

1۔ قرآنی تعلیمات کی ایسی ترویج و اِشاعت جو عالمِ اِسلام میں عظیم فکری و عملی اِنقلاب کی بنیاد ثابت ہو۔

2۔ کتاب وسنت کی حقیقی تعلیمات پر مبنی اِسلام کی ایسی تبلیغ جس سے عالمِ اِنسانیت کو در پیش مشکلات کا یقینی حل میسر آئے۔

3۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت اور اِطاعت کی ایسی تعلیم جو اُمتِ مسلمہ میں حقیقی وحدت کی اَساس فراہم کرے اور عشقِ

مصطفیٰ ﷺ کے فروغ کا باعث ہو۔

4۔ تجدید و اِحیاءِ دین کے لیے جدید عصری تقاضوں کے مطابق ایسی اجتہادی جد و جہد جس کے نتیجے میں قرآن و سنت کی روشنی میں عصری مسائل کا حل پیش کیا جا سکے۔

5۔ نوجوانوں کی بالعموم اور طلبہ کی بالخصوص علمی، فکری، اَخلاقی اور روحانی تربیت کا ایسا مؤثر اِہتمام جس کے ذریعے وہ دین اور ملک وملّت کی مخلصانہ اور ماہرانہ خدمت کے اَہل ہوسکیں۔

6۔ غیر مسلم اَقوام میں اِسلام کی ایسی مؤثر تبلیغ و اشاعت جس سے وہ دینِ مبین کی ہدایت اور فیوض و برکات سے مستفیض ہوسکیں۔

7۔ معاشرے میں اِنفرادی اور اجتماعی سطح پر موجود اَخلاقی اور سماجی برائیوں کے خاتمے کے لیے مؤثر جد و جہد کرنا جس کے ذریعے لوگوں کو اِسلام کی پُراَمن اَخلاقی اور روحانی تعلیمات پر عمل کرنے کی ترغیب مل سکے۔

8۔ پاکستان کو اِسلامی فلاحی مملکت بنانے اور عالمی سطح پر اَمن و سلامتی پر مبنی بین الاقوامی معاشرہ کی تشکیل کے لیے جد و جہد کرنا۔

حصولِ مقاصد کے پروگرامز

تحریک منہاج القرآن کے مذکورہ مقاصد کے حصول کے لیے درج ذیل لائحہ عمل موجود ہے۔ جس کی روشنی میں ہر نظامت/ فورم اپنے پروگرامز کو منعقد کرتا ہے:

1۔ تحریک کے زیر اہتمام دعوت و تربیت کے ایسے نظام کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جس کے ذریعے قرآن و سنت کی تعلیمات کا وسیع پیمانے پر فروغ ہورہا ہے اور عملی زندگی میں ان کے اَثرات اور نتائج بھی مرتّب ہورہے ہیں۔

2۔ تحریک کے زیر انتظام قدیم و جدید علوم کے اِمتزاج پر مشتمل مثالی تعلیمی اِداروں کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جن کے ذریعے مسلم نوجوانوں میں عصری مسائل کے اِسلامی حل کے لیے تخلیقی اور اجتہادی صلاحیت پیدا کی جارہی ہے۔

3۔ صحیح اِسلامی فکر کی بنیاد پر ایسے تعلیمی اِداروں کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جو معاشرے میں دین سے دوری اور اَخلاقی بے راہ روی کے خاتمے اور نوجوانوں کو علم وشعور سے آراستہ کرکے مفید شہری بننے میں مددگار ثابت ہورہے ہیں۔

4۔ جدید خطوط پر استوار ایسے تربیتی اِداروں/حلقات کا قیام بھی تحریک کے امتیازات میں سے ہے جن میں قرونِ اُولیٰ کے صوفیانہ اُسلوب پر اَفراد کی تہذیبِ اَخلاق، تطہیرِ اَفکار، تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کا اِنتظام کیا جاتا ہے۔

5۔ مواخاتِ مدینہ کی روشنی میں باہمی اُخوت ومودت پر مبنی فلاحی و رفاہی نظام کا قیام بھی تحریک کی انفرادیت ہے جس سے اِنفاق، اِحسان اور اِیثار کے تصورات کو معاشرے میں عملی شکل دی جارہی ہے۔

6۔ اَمن کے فروغ، حقوق انسانی بالخصوص خواتین کے حقوق کی بحالی اور تحفظ کے لیے جد وجہد بھی تحریک کے اہم ترین مقاصد اور پروگرامز میں شامل ہے تاکہ حقیقی اِسلامی فلاحی معاشرہ تشکیل پا سکے۔

7۔ جدید دور کے تقاضوں کے مطابق قرآن و سنت کی صحیح اور مستند تعبیر وتشریح جو اُمتِ مسلمہ اور عالمِ اِنسانیت کے لیے درست راہ نُمائی فراہم کرسکے۔ یہ مقصد شروع دن سے تحریک کے پیشِ نظر ہے اور ہر فورم پر اس مقصد کو اجاگر کیا جاتا ہے۔

8۔ معاشرے میں موجود جہالت، منافرت، بدعنوانی، اِنتہاء پسندی اور دہشت گردی کے خاتمے کے لیے اِسلام کی پُر اَمن اور محبت و اِعتدال پر مبنی تعلیمات کو فروغ دینا بھی تحریک کے نمایاں اوصاف میں شمار ہوتا ہے۔

9۔ ملک کے اِستحکام اور قانون کی حکمرانی کے لیے جد و جہد کرنا بھی تحریک کے پروگرامز میں سے ایک اہم پروگرام ہے جس کی اہمیت، افادیت اور اس ضمن میں اٹھائے گئے اقدامات کا ایک زمانہ معترف ہے۔

تحریکی سرگرمیوں کا دائرہ کار

تحریکی سرگرمیاں درج ذیل پانچ جہات پر مشتمل ہوتی ہیں:

1۔ دعوت 2۔ تربیت 3۔تعلیم

4۔ رُوحانیت 5۔ معاشی کفالت

1۔ دعوت

اس کے ذریعے درج ذیل مقاصد حاصل کیے جاتے ہیں:

i۔ دعوت کے ذریعے صحیح اِسلامی کردار کی تشکیل

ii۔ ہر سطح پر عوامی شعور کو بیدار اور اِحساسِ ذمہ داری کو اُجاگر کرنا

iii۔ حق اور عدل کے قیام کے لیے زندگی کے اِنفرادی اور اِجتماعی کرداروں میں پُر اَمن اور قانونی جد و جہد کرنا

2۔ تربیت

تحریک کے تمام شعبوں اور منصوبوں سے وابستہ ہر فرد، کارکن اور عہدے دار کی اِستعدادِ کار، معیارِ کار اور رفتارِ کار میں اِضافے کے ذریعے اَفرادی وسائل کو مؤثر اور منظّم قوت میں بدلنا تربیت کا بنیادی ہدف ہے۔ نظامتِ تربیت اس سلسلہ میں ہمہ وقت کوشاں رہتی ہے۔

3۔تعلیم

معاشرے میں تعلیمی اِنقلاب بپا کرنے کے لیے منہاج ایجوکیشن سوسائٹی اور منہاج یونیورسٹی مصروف عمل ہیں۔ جن کے تحت:

1۔ عوامی سطح پر معیاری تعلیمی نیٹ ورک کا قیام

2۔ اعلیٰ، معیاری، فنی، سائنسی اور تکنیکی مراکز کا قیام

4۔ روحانیت

اِنفرادی اور اِجتماعی سطح پر روحانی اَعمال اور دینی و اَخلاقی سرگرمیوں کا ایک ایسا نظام وضع کیا گیا ہے جس کے ذریعے معاشرے میں بالعموم اور کارکنان میں بالخصوص صدق و اِخلاص، اِطاعت و عبادت، زُہد و ورع، تقویٰ و طہارت اور اَخلاقِ حسنہ کا فروغ تحریک کا مطمع نظر ہے۔ مزید یہ کہ تعلق باللہ، عشق و اِتباعِ رسول ﷺ، تکریمِ صحابہ رضی اللہ عنہم، مودتِ اَہلِ بیت علیہم السلام اور متابعتِ اُسوہ اَولیاء و صالحین کی پختگی کے لیے علم و حکمت اور ذکر و فکر کے ایسے حلقات کا قیام بھی ہمیشہ تحریک کے پیشِ نظر رہا ہے جن کے ذریعے قلوب و اَذہان کو دنیوی اَثرات اور رغبات سے بے خوف و بے نیاز کرنے اور رضاءِ الٰہی کو زندگی کا مقصدِ وحید بنانے میں مدد ملے۔

5۔ معاشی کفالت

تحریک کے اَفرادی، مادّی، شعبہ جاتی وسائل اور تنظیمی نیٹ ورک کی بنیاد پر ایسے اِقدامات کو ترتیب یا فروغ دیا جاتا ہے جن سے خود اِنحصاری کے طریق پر کارکنان کی معاشی کفالت کی راہ ہموار ہوسکے۔

حاصلِ کلام

امت اس وقت جس زوال کا شکار ہے وہ جزوی نہیں بلکہ کلی اور ہمہ گیر نوعیت کا ہے جب اسلام کو مجموعی طور پر (روئے زمین پر) غلبہ حاصل تھا مختلف شعبوں میں وقتاً فوقتاً سیاسی، اخلاقی یا مذہبی اعتبار سے رونما ہونے والے بگاڑ کا تدارک جزوی اور ہنگامی کوشش سے ہوجاتا تھا لیکن اب ایک عرصے سے ملت اسلامیہ سیاسی و اقتصادی، اخلاقی و روحانی، مذہبی و دینی، علمی وفکری اور تہذیبی و ثقافتی اعتبارات سے مکمل زوال اور تباہ کن ابتلاء کا شکار ہے۔

چنانچہ تحریک منہاج القرآن کے قیام کا مقصد ہمہ گیر اصلاح ہے جو بیک وقت علمی وفکری جمود کا خاتمہ کرنے کے ساتھ ساتھ اخلاقی و روحانی زندگی کی روبہ زوال قدروں کو پھر سے بحال کردے۔

تحریک منہاج القرآن مسلکی و گروہی اور فرقہ وارانہ تعصّبات سے بالاتر محبت و اخوت کی علمبردار ایک ایسی تحریک ہے جس کے دروازے ہر اس شخص کے لیے کھلے ہیں۔۔۔ جو آقائے نامدار ﷺ کا امتی ہونے کا دعویدار ہے۔ جس کا دل فرقہ واریت اور گروہ بندیوں پر خون کے آنسو روتا ہے۔۔۔ جو ملت کو ایک شیرازے میں منسلک دیکھنا چاہتا ہے۔۔۔ جو ہر سو محبت و مودت کے چراغ روشن دیکھنا چاہتا ہے۔۔۔ جو منافقانہ اور اجارہ دارانہ ذہنیت کے تعفن سے دور انس و محبت کی پُر مہک فضاؤں میں سانس لینا چاہتا ہے۔

اتحادِ امت کیلئے شیخ الاسلام کی گراں قدر خدمات

مسلکی منافرت اتحادِ ملت کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے

منہاج القرآن نے فرقہ واریت کے خاتمے کیلئے عظیم دینی و انسانی فریضہ انجام دیا

احمد وحید قادری، نظامت تربیت

اِسلام دشمن طاقتیں ازل سے ہی اسلام کے خلاف بر سر پیکار ہیں۔ اس حوالے سے اسلام دشمن عناصر آج بھی ایک کے بعد دوسرا محاذ کھول کر فرزندانِ اِسلام کی طاقت کو منتشر کر دینے کی کوشش میں ہیں۔ اسلام دشمنی کی وجہ سے مسلمان کمزور سے کمزور تر ہوتا جا رہا ہے اور شومئی قسمت کہ مسلمانوں کی اکثریت کو اس کا احساس بھی نہ رہا۔ بقولِ علامہ

وائے ناکامی! متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

یوں محسوس ہوتا ہے کہ فرزندانِ اسلام غافل اور محوِ استراحت ہیں اور دشمنانِ اسلام ہمہ وقت محوِ فکر و عمل ہیں۔

80ء کی دہائی میں ملک دشمن عناصر کی سازشیں:

معزز قارئین! محرم الحرام 1400ھ (1980ء) جب نئی صدی ہجری کا آفتاب طلوع ہوا تو ملک پاکستان کی صورتِ حال انتہائی زوال کا شکار ہو چکی تھی۔ دینِ اسلام کی اصل کو اسلام دشمن طاقتیں مسخ کرنے میں مصروف عمل تھیں۔ بین الاقوامی سطح پر فکری و نظریاتی زوال اور صریح مقصد نہ ہونے کے باعث مسلمان بے جمیتی کی زندگی گزار رہے تھے۔

اس عرصہ میں مسلکی منافرت اپنے عروج پر تھی۔ ایک دوسرے پر کفر و شرک کے فتوے لگانا عام تھا۔ دوسرے مسلک کے فرد کے ساتھ گفتگو کرنا، اُس فرد سے تعلق رکھنا اور حتی کہ دوسرے مسلک کی مسجد میں نماز کی اَدائیگی تک کو نہ صرف نا جائز بلکہ حرام سمجھا جاتا تھا۔ اِسلام دشمن قوتوں کی سازشوں اور اپنے چند مسلمان نادان دوستوں کی وجہ سے کئی مواقع ایسے بھی آئے کہ قریب تھا کہ ملک میں فرقہ وارانہ قتل و غارت گری شروع ہو جائے اور بات چلتے چلتے خانہ جنگی تک پہنچ جائے۔ متنازع اور نفرت آمیز موضوعات پر سینکڑوں تصانیف شائع ہوئیں۔ جہاد کے نام پر کئی فسادی تنظیمیں بنیں، کئی جیش اور سپاہ بنیں حتی کہ سیاسی تنظیموں نے بھی اپنے عسکری ونگز قائم کیے اور مسلکی جماعتوں کے رہنما اور کارکن قتل ہوئے۔

الغرض دہشت گردی، تنگ نظری اور اِنتہا پسندی عروج پر تھی۔ ہر شعبے، جماعت اور تنظیم نے اپنی فکر و سوچ کے مطابق دِین کی اَقدار کو ڈھال لیا ہوا تھا، منبر و محراب سے لے کر معاشرتی سطح پر کفر کے فتوے کوچہ و بازار میں سر عام فروخت ہو رہے تھے۔ حد یہ ہوئی کہ وطنِ عزیز کے در و دیوار بھی ایک دوسرے کو کافر قرار دینے کے نفرت انگیز نعروں سے آلودہ کیے گئے۔

بین المسالک نفرتوں کا تدارک: شیخ الاسلام کا کردار

ان حالات میں ملکِ پاکستان سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی ایک توانا آواز ابھری، جس نے اس خون آشام منظر میں محبتوں کے پھول بکھیرے اور امن وسکون کی طرف دعوت دی۔ ذیل میں بین المسالک نفرتوں کے تدارک میں شیخ الاسلام کی کاوشوں کا ایک اجمالی خاکہ نذرِ قارئین کیا جا رہا ہے:

۱۔ دعوت و تبلیغ سے تکفیری رویوں کا خاتمہ

1980ء کی دہائی میں دعوت و تبلیغ کا معیار تھا یعنی دوسرے مسالکِ فکر کو کافر و مشرک سمجھنا اور اُن پر کفر کا فتویٰ لگانا ہر مسلک اپنی دینی و مذہبی ذمہ داری سمجھتا تھا۔ محرم کے دن آتے تو ملک میں متعدد شہروں میں کرفیو لگ جاتا۔ ربیع الاول آتا تو ایک دوسرے پر فتوؤں کا بازار گرم ہو جاتا۔ ایک مسلک کے شخص کا دوسرے کے ہاں جانا اِس قدر معیوب سمجھا جاتا کہ بعض اوقات دوسرے مکتبِ فکر کے فرد کے مسجد میں آجانے کے باعث مسجد کو دھلوایا جاتا۔ ایسے پُر فتن اور تکفیری ماحول میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اَمن اور رواداری کا علم اٹھا کر تکفیر سے پاک دعوت و تبلیغ کا آغاز کیا اور نفرتوں اور تکفیری رویوں کو دھو ڈالا۔

۲۔ اعلامیہ وحدت

1990 کی دہائی شیعہ سنی فسادات کا وہ دور جب پاکستان میں شیعہ سنی فسادات کو ہوا دی گئی تھی، لشکرِ جھنگوی، لشکرِ مہدی، سپاہِ محمد، سپاہِ صحابہ، حزب اللہ اور مہدی فورس جیسی تنظیمیں ایک دوسرے کو قتل کرتی تھیں۔ کبھی امام بارگاہ پہ حملہ ہوتا تو کبھی مساجد پر۔

ان حالات میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے مثبت اندازِ فکر، باہمی احترام و رواداری اور بین المسالک رابطوں کی افادیت اور باہمی نفرتوں کے تدارک کا واضح ثبوت 10 جنوری 1990ء کا اعلامیہ وحدت ہے۔ یہ اعلامیہ پاکستان عوامی تحریک اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے مابین قرار پایا جس میں ازواجِ مطہرات، اہلبیتِ اطہار، صحابہ کرامؓ، خلفائے راشدین اور ائمہ کرام کی گستاخی کو حرام قرار دیا گیا تاکہ باہمی نفرتوں کو ختم کیا جا سکے اور امن کا درس دیا جا سکے۔ پاکستان میں اتحادِ امت کے فروغ، فرقہ ورایت اور شیعہ، سنی فسادات کو روکنے کے لیے پاکستان عوامی تحریک اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ نے 10 نکاتی اعلامیہ پر دستخط کیے۔

۳۔ دفاع شانِ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم

2008ء میں نفرت پھیلانے کی ایک اور مذموم کوشش لاہور کے ایک عالمِ دین کی طرف سے کی گئی یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شان اقدس میں ایک بڑا نقب انکی گستاخی کر کے لگایا گیا جس کے باعث ملک بھر میں فرقہ واریت کے طوفان کو ہوا دی گئی۔ شیعہ، سنی نفرت کا ایک بازار گرم کیا گیا۔ ملک بھر میں میڈیا کے تمام ذریعے استعمال کر کے دنگا، فساد، فتنہ، نفرت اور شر پھلانے کی اسلام دشمنوں نے بھرپور کوشش کی۔ یہ نہ صرف کوشش تھی بلکہ ایک حد تک دشمنانِ اسلام اس سازش میں کامیاب ہوگئے تھے۔ فتنہ و انتشار کے اس ماحول میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اس فتنہ کا تدارک اپنے 16 گھنٹے کے خطاب دفاع شانِ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم) کے حوالے سے کیا۔ سندِ حدیث، راویوں کی جرح و تعدیل اور بیانِ حدیث کی شرائط و تقاضے کے موضوعات پر اس قدر مفصل بحث کی کہ ائمہ حدیث کے زمانے کا منظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا اور ملک میں پھیلے ہوئے نفرت کے فتنے کا خاتمہ ہوا اور گستاخوں کی زبانیں بند ہوئیں۔

۴۔ ازواجِ مطہراتؓ کی شان وعظمت کا دفاع

1993ء میں پاکستان میں صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کا ہوا اس پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے حکومت ایران سے رابطہ کیا اور ان سے مطالبہ کیا وہ گستاخیِ ازواج مطہرات، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور ائمہ کی گستاخی کو حرام قرار دے۔ شیخ الاسلام کے اس مطالبے پر حکومتِ ایران نے ازواجِ مطہرات، صحابہ و ائمہ کی گستاخی کو حرام قرار دیا۔ یوں یہ فتنہ پیدا ہوتے ہی دفن ہوگیا اور وطن عزیز کے ماحول میں فرقہ واریت کو ہوا دینے والے ناکام ہوئے۔

۵۔ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عزت و ناموس کا دفاع

اُمن کے دشمنوں کی سازشوں اور اپنوں کی نادانیوں کے باعث اُمت میں کئی مرتبہ مسلکی منافرت پھیلانے کی کوشش کی گئی۔ چند سال قبل برطانیہ میں بعض شر پسند علماء نے صحابہ کرام اور خلفاء راشدین کی عزت و ناموس پر حملہ کیا تو دنیا بھر میں کوئی اُن کا دفاع نہ کر سکا۔ حتیٰ کہ متعدد علماء اور قائدین نے شیخ الاسلام ڈاکٹر

محمد طاہر القادری سے رابطہ کیا اور درخواست کی کہ صحابہ کرام اور خلفاء راشدین کی عزت و ناموس کے دفاع میں اپنا کردار ادا کریں۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے 60 لیکچرز ریکارڈ کروائے۔ آپ نے اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان تمام اختلافی مسائل پر خصوصاً اہل تشیع کی کتب سے اس قدر جامع گفتگو کی کہ اس فتنے کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا۔

۶۔ سیدۂ کائنات کی عفت وعصمت کا دفاع

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے جو تصور دین سمجھایا ہے اس میں ازواج مطہرات، صحابہ کرام و اہلبیتِ اطہار اور ائمہ و اولیاء کرام سب کا احترام شامل ہے۔ لہذا ملک بھر کے جس طبقے کی طرف سے گستاخی و اہانت کی آواز بلند ہوتی ہے، شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اس کا دفاع کرتے نظر آتے ہیں۔

حال ہی میں دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی ایک اور انتہائی مذموم سازش کی جس میں لاہور کے ایک عالم دین نے سیدہ کائنات حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شان میں گستاخی کی اور ایسے نازک مسئلہ کو ہوا دی جس کے باعث ملک بھر میں ایک نفرت کی فضا قائم ہوئی اور عشاقانِ اہلِ بیت کے دلوں کو انتہائی دکھ اور تکلیف پہنچی۔

شیخ الاسلام نے محبتِ اہل بیت اور سیدہ کائنات کی شان کے دفاع کو اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے اپنے چار خطابات میں اس کا کماحقہ دفاع کیا اور سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کی شان و عظمت، ان کی آقا ﷺ کے ساتھ نسبت اور ہر قسم کی خطاء و لغزش سے پاک اور محفوظ و مبرا ہونے کے عقیدہ کو واضح کیا۔ جس سے محبانِ اہل بیت کے عشق و محبت میں اور اضافہ ہوا اور یوں ملک بھر میں اس فتنے اور نفرت کی آگ کو روک دیا گیا اور دشمن کی اس حرکت کو ناکام بنا دیا گیا۔

۷۔ بین المسالک اتحاد و یکجہتی کی عملی جدوجہد

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے نہ صرف اہل تشیع کی مجالس میں خطابات کئے بلکہ ہر مکتبہ فکر کے مرکز پر گئے اور سینکڑوں مواقع پر تمام مسالک کے علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے محبت و رواداری کو فروغ دیا۔ ہر مسلک کی اہم شخصیات کو تحریک میں ممبر شپ اور ذمہ داریاں دیں اور مل جل کر اُمت اور انسانیت کی فلاح کے لئے پلیٹ فارم مہیا کیا۔ یہ شیخ الاسلام کی مسلسل عملی جدوجہد کا ثمر ہے کہ مسلکی منافرت کا یہ فتنہ دم توڑ چکا ہے اور دوسروں کو مسلمان نہ سمجھنے والے اب مل کر جدوجہد کر رہے ہیں۔

شیخ الاسلام کی جدوجہد کے نتائج

اس پر فتن دور میں جب ہر طرف ایک مسلکی جنگ شروع ہو چکی ہے اور امتِ رسول ہاشمی ﷺ کو فرقہ واریت کی آگ میں دھکیلا جا رہا ہے، تحریک منہاج القرآن وہ واحد تحریک ہے جو تمام مکاتبِ فکر و مسالک کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے کیونکہ اس تحریک کی بنیاد کسی مسلکی و فرقہ وارانہ سوچ پر نہیں رکھی گئی، یہ ایک ہمہ گیر تحریک ہے جو اپنے قیام کے دن سے ہی فرقہ وارانہ سوچ کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔ تحریک کے دروازے تمام مکاتبِ فکر کے لئے ہمیشہ کھلے رہے ہیں۔

شیخ الاسلام کی شخصیت اس دور پر فتن میں ایک مسیحا کی حیثیت رکھتی ہے۔ جب بھی اسلام دشمن طاقتوں نے مسلمانوں کو زیر کرنے کی کوشش کی، شیخ الاسلام نے ہر فتنے کا مقابلہ کیا۔ مناظرانہ کلچر ہو یا تکفیری رویہ، آپ نے شانِ اہل بیت کا دفاع کیا، شانِ صحابہ کرام کا دفاع کیا شانِ ازواج مطہرات کا دفاع کیا الغرض ہر فتنہ اور نفرت پھیلانے والے کے خلاف علم محبت بلند کیا۔

معزز قارئین! آیئے! عہد کریں کہ ہم ان نفرتوں، مسلکی منافرتوں اور اپنے تکفیری رویوں سے بالاتر ہوکر ایک امت ہونے کی حیثیت سے سوچیں اور اپنے اندر سے اِن تمام غلاظتوں اور نجاستوں کو نکال باہر کریں۔ یہی پیغامِ محبت و رواداری امن و یکجہتی شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور تحریک منہاج القرآن کا پیغام ہے۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ اس عظیم اور بے مثال مقصد کے حصول کے لئے تحریک منہاج القرآن میں شمولیت اختیار کریں اس تحریک کی رفاقت حاصل کر کے اس عظیم کارِ خیر کے حصول میں اپنا کلیدی کردار ادا کریں۔

سات صندوقوں میں بھر کر دفن کردو نفرتیں
آج انسان کو محبت کی ضرورت ہے بہت

❁❁❁❁❁

انا للہ وانا الیہ راجعون

گذشتہ ماہ محترم منیب الرحمٰن (سرپرست TMQ تحصیل لورہ) کی والدہ محترمہ، محترم محمد سلیم طاہر (شیخوپورہ) کے والد، محترم ظفر اقبال سلہریا (شیخوپورہ) کے بھائی، محترم محمد شکیل سیفی (موڑ کھنڈہ) کی والدہ، محترم اختر علی قادری (بدوملہی) کے والد، محترم ماسٹر منظور حسین چدھڑ (لودھرے) کی اہلیہ، محترم الحاج محمد شفیق قادری (النور رائس والے کامونکی)، محترم ڈاکٹر نعمان اصغر (خانقاہ ڈوگراں) کے بھائی اور دو بھابھیاں، محترم عبدالرزاق مصطفوی (حافظ آباد) کی ہمشیرہ، محترم ڈاکٹر محمد جاوید (حافظ آباد) کی والدہ، محترم خادم حسین سیٹھی (حافظ آباد) کا بیٹا، محترم صوفی جہانگیر احمد (مصطفےٰ آباد قصور) کی والدہ، محترم ڈاکٹر گل محمد اعوان (فیصل آباد)، محترم حاجی محمد رشید قادری (فیصل آباد)، محترم رانا محمد صالح (فاروق آباد)، محترم رانا علی اکبر (کھڈیاں قصور) کے بھائی، محترم ماسٹر سرفراز احمد کی بہووٹی کے تارڑ، محترم محمد حنیف قادری (لاہور) کی بھابھی، محترم محمد عمران شاہد (فیصل آباد) کی والدہ، محترم محمد فیاض (چیچہ وطنی) کے بھائی، محترم ہدایت علی انصاری (گجیانہ نو) کے والد، محترم مرزا اسد بیگ (سیالکوٹ) کے والد، محترم خواجہ جاوید ہاشمی (پھالیہ)، محترم صوفی محمد اعظم (پھولنگر)، محترم قاری محمد عباس (تاندلیانوالہ)، محترم ماسٹر محمد عنائت (ونی ہڑ کے تارڑ)، محترم طاہر نسیم قادری (ونی کے تارڑ) کی ہمشیرہ اور ہمزلف، محترم لیاقت علی مان (ڈسکہ) کے والد، محترم ڈاکٹر محمد شفیق (جڑانوالہ) کی اہلیہ، محترم چوہدری محمد اویس مرتضیٰ (حویلی لکھا) کے ماموں، محترم مستری محمد صدیق (راجڑ قلاں۔ سرائے عالمگیر)، محترم عطاالمصطفیٰ قادری (گوجرانوالہ) کی دادی جان، محترم ریاض حسین چوہدری (سیالکوٹ) کے بھائی، محترم ندیم انجم مصطفائی (شیخوپورہ) کی ہمشیرہ، محترم ڈاکٹر محمد بلال (نارووال) کی والدہ، محترم زاہد الیاس میر (سابقہ مرکزی صدر MYL گوجرانوالہ)، محترم فاروق چغتائی (گوجرانوالہ) کے بڑے بھائی، محترم محمد افضل گجر (گوجرانوالہ) کے تایا زاد بھائی، محترم اعجاز احمد مصطفوی (گوجرانوالہ) کے والد، محترم شیخ شبیر احمد (گوجرانوالہ) کی اہلیہ، محترم نثار احمد چدھڑ (علی پور چٹھہ) کے بہنوئی، محترم قربان علی (گوجرانوالہ) کے والد، محترم محمد جمشید (گوجرانوالہ) کی بیٹی، محترم محمد اکرم بالا (قلعہ مرادبخش) کے چچا اور منظور احمد بالا کے ماموں حاجی نذیر احمد، محترم خالد حسین قادری (حافظ آباد) کی ہمشیرہ، محترم محمد اکرم بھٹی (ڈسکہ)، محترم حافظ محمد خلیل (ڈسکہ) کی والدہ، محترم حبیب اللہ جنجوعہ (ڈسکہ) کی اہلیہ، محترم علامہ ضیاء الاسلام قمر (ننکانہ صاحب) کی ہمشیرہ، محترم ماسٹر استخار احمد (فیصل آباد) کے سسر، محترم فیض احمد ہنجرا (پنڈی بھٹیاں) کا بھتیجا اور پھوپھو جان، محترم محمد صفدر نجمی (سرائے عالمگیر)، محترم چوہدری محمد حفیظ قادری (اوکاڑہ) کی والدہ، محترم رانا محمد عارف (حجرہ شاہ مقیم)، محترم حاجی محمد یونس (بجوات سیالکوٹ)، محترم علامہ اسجد محمود چشتی مرحوم (گجرات) کی اہلیہ، محترم راجہ محمد ریاض (سرائے عالمگیر)، محترم محمد ادریس گوندل (حافظ آباد) کے ماموں جان، محترم ڈاکٹر لیاقت نذیر چدھڑ (بیک احمد یار) کے سسر، محترم علامہ عزیزالحسن اعوان (فیصل آباد) کی ساس اور سسر، محترم محمد یاسین بھٹی (فیصل آباد) کی اہلیہ، محترم محمد اشتیاق (فیصل آباد) کی والدہ، محترم صوفی نذیر احمد (فیصل آباد) کی اہلیہ، محترم عمران شاہد (فیصل آباد) کی والدہ اور محترم علامہ عرفان رضا قادری (کالے کی منڈی) کے والد قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرکزی سیکرٹریٹ اور گوشہ درود میں موجود احباب نے جملہ مرحومین کی مغفرت و بخشش کے لئے خصوصی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

خصوصی ہدایات برائے میلاد مہم 2020ء

ماہ ربیع الاول اپنی آغوش میں ولادت مصطفی ﷺ کی خوشیاں لئے امت مسلمہ پر سایہ فگن ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے تحریک منہاج القرآن جس جوش و جذبۂ ایمانی سے میلاد مناتی ہے، پوری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

امسال بھی جشن عید میلاد النبی ﷺ کو حسب سابق جوش و جذبے اور عقیدت و احترام سے منایا جائے گا۔ اس عزم کے ساتھ کہ

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے   دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کردے

اس سال 37 ویں سالانہ عالمی میلاد کانفرنس ان شاء اللہ العزیز مینار پاکستان پر منعقد ہوگی جس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری خصوصی خطاب فرمائیں گے۔ دنیا بھر سے علماء کرام و مشائخ عظام تشریف لائیں گے۔ تحریک منہاج القرآن اور اس کے جملہ فورمز و تنظیمات مرکزی ہدایات کے مطابق میلاد مہم کامیاب بنانے کے لئے محنت و کوشش کریں تاکہ ہم عشق و محبت رسول ﷺ کے اس مقدس ماہ میں اپنے آقا ﷺ کے دین کی تجدید و احیاء اور مصطفوی انقلاب کے پیغام کی زیادہ سے زیادہ ترویج و اشاعت کو ممکن بنانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔

☆ اس سال میلاد مہم کا دورانیہ 10 اکتوبر 2020ء تا 20 نومبر 2020ء تک ہوگا۔

جملہ تنظیمات اور جملہ فورمز درج ذیل ہدایات کے مطابق میلاد مہم کو کامیاب بنانے کے لئے اپنا کردار ادا کریں:

☆ ربیع الاول کا چاند دیکھنے کے بعد دو رکعت نماز نوافل شکرانہ ادا کریں۔

☆ اپنے اعزاء و اقرباء، محلّہ داروں اور دوستوں کو عید میلاد النبی ﷺ کی مبارکباد بالمشافہ، ای میل، SMS، فیس بک، WhatsApp یا کسی بھی ذریعہ سے دیں۔

☆ استقبال ربیع الاول کے حوالے سے علاقہ میں ایک بھرپور جلوس/مشعل بردار جلوس کا اہتمام کیا جائے۔

☆ 37 ویں سالانہ عالمی میلاد کانفرنس کو عظیم الشان بنانے کے لیے جملہ تنظیمات/ فورمز/ کارکنان محنت کریں۔ علاقہ میں موجود مذہبی، سیاسی، فلاحی تنظیمات کے ساتھ ساتھ طلبہ، وکلاء، مزدور اور کسان یونینز کو بھرپور دعوت دی جائے۔

☆ علاقہ بھر میں استقبال ربیع الاول کے بڑے بڑے ہورڈنگز و بینرز لگوائیں۔

☆ صوبائی حلقہ/تحصیل کی تنظیم اپنی تمام یونین کونسلز میں کم از کم ایک میلاد کانفرنس منعقد کرے۔

☆ ہر تنظیم قائد محترم کی کتب کے دعوتی پیکج تحائف کی صورت میں مذہبی، سیاسی اور سماجی شخصیات کو دیں۔

☆ تنظیمات کیبل نیٹ ورک کے ذریعے شیخ الاسلام کے میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے خطابات چلوانے کا بندوبست کریں۔

☆ یکم تا 12 ربیع الاول خواتین، بچوں کو عید میلاد النبی ﷺ کی اہمیت بیان کریں تاکہ بچوں میں میلاد النبی ﷺ کی خوشی کا احساس پیدا ہو۔ اپنے گھروں میں خصوصی حلقہ ہائے درود و فکر کا انعقاد کریں۔

☆ ہر کارکن ماہ ربیع الاول کے پہلے 12 دن کم از کم 1000 مرتبہ اور باقی دنوں میں کم از کم 500 مرتبہ روزانہ درود پاک کا وظیفہ کریں۔

☆ تمام رفقاء 12 ربیع الاول تک حضور ﷺ کے میلاد کی نسبت سے 12 افراد کو تحریک کا رفیق بنا کر فروغِ عشق رسول ﷺ اور احیائے اسلام کی عظیم عالمگیر تحریک کا حصہ بنائیں۔

☆ پورا مہینہ گنبد خضریٰ کا مونوگرام اور نعلین پاک سینوں پر آویزاں کیے جائیں۔

☆ ہر تحریکی گھرانہ اپنے گلی بازاروں میں آقا ﷺ کی آمد کی خوشی میں بچوں کے اندر کھانے پینے کی اشیاء تقسیم کرے تاکہ شعوری طور پر بچوں کے اندر حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی کا احساس پیدا ہو۔ نیز گھروں اور تحریکی دفاتر پر چراغاں کیا جائے جو یکم سے 12 ربیع الاول تک رہے۔

☆ میلاد مہم کو کامیاب بنانے کے لیے ضلعی اور صوبائی حلقہ جات/ تحصیلی کوآرڈینیشن کونسلز کے اجلاس میں ابھی سے ہی ذمہ داریاں تقسیم کردی جائیں اور تمام احباب اس میں بھرپور محنت کریں۔

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN
LAHORE
OCT-2020
Regd CPL No.41

حضور آپ ﷺ آئے تو دل جگمگائے

37 ویں سالانہ

عالمی میلاد کانفرنس

خصوصی خطاب **شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری**

11 اور 12 ربیع الاوّل کی درمیانی شب

مینار پاکستان

زیرنگرانی: ڈاکٹر حسن محی الدین قادری
ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

میلاد کانفرنس میں معروف قراء، نعت خواں، علماء کرام اور مختلف طبقات کی نامور نمائندہ شخصیات شرکت فرمائیں گی

خواتین کیلئے باپردہ انتظام

Live Minhaj.tv
پر براہِ راست

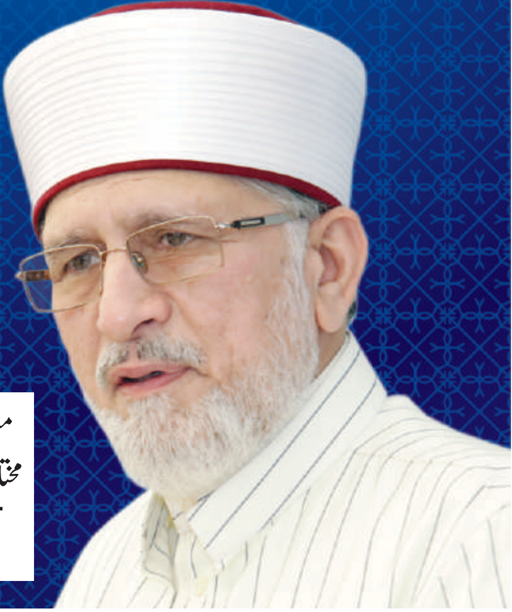

تحریکِ منہاج القرآن

042-111-140-140 www.minhaj.org
TahirulQadri TahirulQadri